تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۲۹

چند اہم مضامین کی فہرست

مضمون	صفحہ
بہتر عمل کی آزمائش کا نام زندگی ہے	۵۷۷
جہنم کا داروغہ سوال کرے گا	۵۷۹
نافرمانی سے خائف ہی مستحق ثواب ہیں	۵۸۰
وہ مغفرت کا مالک بھی اور گرفت پر قادر بھی ہے	۵۸۱
رزاق صرف رب قدیر ہے	۵۸۱
زمین سے پانی ابلنا بند ہو جائے تو؟	۵۸۳
نون سے کیا مراد ہے؟	۵۸۴
قلم سے کیا مراد ہے	۵۸۵
حضورؐ کا حلیہ مبارک	۵۸۶
زیادہ قسمیں کھانے والے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں	۵۸۷
سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی	۵۸۹
گنہگار اور نیکو کار دونوں کی جزا کا مختلف ہونا لازم ہے	۵۹۱
سجدہ اس وقت منافقوں کے بس میں نہیں ہوگا	۵۹۲
مصائب سے نجات دلانے والی دعا نظر فال اور شگون	۵۹۴
نظر لگنے کا دم	۵۹۵
آواز کا بم صور اسرافیل	۵۹۹
اللہ کا عرش اٹھانے والے فرشتے	۶۰۰
دائیں ہاتھ اور نامہ اعمال	۶۰۰
ظاہر و باطن آیات الٰہی	۶۰۳
ہدایت اور شفا قرآن حکیم	۶۰۵
عذاب کے طالب عذاب دیئے جائیں گے	۶۰۸
انسان بے صبرا بخیل اور کنجوس بھی ہے	۶۱۰
مرکز نور و ہدایت سے مفرور انسان	۶۱۲
عذاب سے پہلے نوح علیہ السلام کا قوم سے خطاب	۶۱۴
نو سال صدا بصحرا کے بعد بھی ایک پیغمبرانہ کوشش	۶۱۵
نوح علیہ السلام کی بارگاہ الٰہی میں روداد غم	۶۱۸
کثرت گناہ تباہی کو دعوت دینا ہے	۶۱۹
جنات پر قرآن حکیم کا اثر	۶۲۱
بعثت نبوی ﷺ سے پہلے جنات	۶۲۲
جنات میں بھی کافر اور مسلمان موجود ہیں	۶۲۴
آداب سجدہ اور جنات کا اسلام لانا	۶۲۶
اللہ کے سوا قیامت کب ہوگی کسی کو نہیں معلوم	۶۲۷
''مزمل'' کا مفہوم	۶۲۹
رسول اللہ کو قیام اللیل اور ترتیل قرآن کا حکم	۶۲۹
نبی اکرم ﷺ کی حوصلہ افزائی	۶۳۴
پیغام نصیحت و عبرت اور قیام اللیل	۶۳۵
ابتدائے وحی	۶۳۷
جہنم کی ایک وادی صعود اور ولید بن مغیرہ	۶۳۹
سخت دل بے رحم فرشتے اور ابوجہل	۶۴۳
جنتیوں اور دوزخیوں میں گفتگو ہوگی	۶۴۵
ہم سب اپنے اعمال کا خود آئینہ ہیں	۶۴۷
حفظ قرآن تلاوت و تفسیر کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ	۶۴۹
جب ہماری روح حلق تک پہنچ جاتی ہے.....	۶۵۱
اے انسان اپنے فرائض پہچان	۶۵۴
زنجیریں طوق اور شعلے	۶۵۵
دائمی خوشگوار موسم اور مسرتوں سے بھرپور زندگی	۶۵۷
اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کا باہم عہد و معاملات	۶۶۱
فرشتوں اور ہواؤں کی اقسام	۶۶۲
حسرت و افسوس کا وقت آنے سے پہلے	۶۶۳
جہنم کے شعلے سیاہ اونٹوں اور دہکتے تانبے کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے	۶۶۴
دنیا اور آخرت کے فائدوں کا موازنہ	۶۶۶

تفسیر سورة الملك

مسند احمد میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کریم میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرتی رہے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے' وہ سورت تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ الخ' ہے۔ ابوداؤد' نسائی' ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن کہتے ہیں۔ تاریخ ابن عساکر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے کا ایک شخص مر گیا جس کے ساتھ کتاب اللہ میں سوائے سورۂ تبارک الذی کے اور کوئی چیز نہ تھی جب اسے دفن کیا گیا اور فرشتہ اس کے پاس آیا تو یہ سورت اس کے سامنے کھڑی ہوگئی فرشتے نے کہا' تو کتاب اللہ ہے میں تجھے ناراض کرنا نہیں چاہتا' تجھے معلوم ہے کہ تیرے یا اپنے یا اس میت کے کسی نفع نقصان کا مجھے اختیار نہیں اگر تو یہی چاہتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر اس کی سفارش کر چنانچہ یہ سورت اللہ عزوجل کے پاس جائے گی اور کہے گی خدایا! تیری کتاب میں سے مجھے فلاں شخص نے سیکھا' پڑھا' اب کیا تو اسے آگ میں جلائے گا؟ کیا باوجودیکہ میں اس کے سینے میں محفوظ ہوں تو اسے عذاب کرے گا؟ اگر یہی کرنا ہے تو مجھے اپنی کتاب میں سے مٹا ڈال۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس وقت سخت غضبناک ہے' یہ کہے گی مجھے حق ہے کہ میں اپنی ناراضی ظاہر کروں پس جناب باری کا ارشاد ہوگا کہ جا میں نے اسے تجھے دیا اور تیری سفارش قبول کر لی۔ اب یہ سورت اس کے پاس آ جائے گی اور عذاب کے فرشتے کو ہٹا دے گی اور اس کے منہ سے اپنا منہ ملا کر کہے گی' اس منہ کو مرحبا ہو یہی میری تلاوت کیا کرتا تھا' اس سینے کو صد شاباش ہے اس نے مجھے یاد کر رکھا تھا' ان دونوں قدموں کو مبارک باد ہو یہی کھڑے ہو کر راتوں کو میری قرأت کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے اور یہ سورت قبر میں اس کی مونس اور غم خوار بن جائے گی اور کوئی ڈر و دہشت اسے نہیں پہنچنے دے گی۔ اس حدیث کے سنتے ہی تمام چھوٹے' بڑے' آزاد اور غلام نے اسے سیکھ لیا' اس کا نام رسول اللہ ﷺ نے منجیہ رکھا' یعنی نجات دلوانے والی سورت' لیکن یہ یاد رہے کہ یہ حدیث بہت ہی منکر ہے' اس کے راوی فرات بن سائب کو امام احمد' امام یحییٰ بن معینؒ' امام بخاریؒ' امام ابوحاتمؒ' امام دار قطنیؒ وغیرہ ضعیف کہتے ہیں اور دوسری سند سے مروی ہے کہ یہ قول امام زہری کا ہے مرفوع حدیث نہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''اثبات عذاب القبر'' میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مرفوع بھی بیان کی ہے اور موقوف بھی۔ اس میں بھی جو مضمون ہے وہ اس کی شہادت میں کام دے سکتا ہے۔ ہم نے اسے احکام کبریٰ کی کتاب الجنائز میں بیان کیا ہے وللہ الحمد۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قرآن کی ایک سورت ہے جس نے اپنے پڑھنے والے کی طرف سے خدا سے لڑ جھگڑ کر اسے جنت میں داخل کرایا' وہ سورۂ تبارک ہے۔ ترمذی شریف میں ہے کہ کسی صحابی نے جنگل میں ایک ڈیرہ لگایا جہاں ایک قبر بھی تھی لیکن اسے علم نہ تھا۔ اس نے سنا کہ کوئی شخص سورۂ ملک پڑھ رہا ہے اور اس نے اسے پوری پڑھی۔ اس نے نبی ﷺ سے سارا واقعہ بیان کیا تو حضورؐ نے فرمایا یہ سورت روکنے والی ہے' یہ سورت نجات دلوانے والی ہے جو عذاب قبر سے نجات دلواتی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے سورۂ الٓمّٓ تَنْزِیْلُ الخ اور سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِیْ ضرور پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضرت طاؤس کی روایت سے ثابت ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن کی اور سورتوں پر ستر نیکیاں فضیلت رکھتی ہیں۔ طبرانی میں ہے حضور فرماتے ہیں میری دلی منشا ہے کہ یہ سورت میری امت میں سے ہر ایک کے دل میں رہے یعنی سورۂ تبارک۔ یہ حدیث بھی غریب ہے اور اس کا راوی ابراہیم ضعیف ہے اور اسی جیسی روایت سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ مسند عبد بن حمید ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے کہا آ میں تجھے ایک ایسا تحفہ دوں کہ تو خوش ہو جائے تَبَارَكَ الَّذِي الخ پڑھا کر اور اسے اپنے اہل وعیال کو اولاد کو گھر کے بچوں کو اور پڑوسیوں کو سکھا' یہ سورت نجات دلوانے والی اور شفاعت کرنے والی ہے۔ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی طرف سے اللہ سے سفارش کرے گی اور اسے عذاب آگ سے بچالے گی اور عذاب قبر سے بھی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تو چاہتا ہوں کہ میرے ایک ایک امتی کے دل میں یہ ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾

بہ نام اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے

بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے؟ جو غالب اور بخشنے والا ہے ○ جس نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا تو اے دیکھنے والے! اللہ رحمٰن کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا ○ دوبارہ نظریں ڈال کر دیکھ لے کیا کوئی شگاف بھی نظر آ رہا ہے؟ پھر دہرا کر دو دو بار دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف ذلیل ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی ○

بہتر عمل کی آزمائش کا نام زندگی ہے: ☆☆ (آیت:۱-۴) اللہ تعالیٰ اپنی تعریف بیان فرما رہا ہے اور خبر دے رہا ہے کہ تمام مخلوق پر اسی کا قبضہ ہے جو چاہے کرے' کوئی اس کے حکموں کو ٹال نہیں سکتا' اس کے غلبہ اور حکمت اور عدل کی وجہ سے اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں کر سکتا' وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے۔ پھر اپنا موت وحیات کا پیدا کرنا بیان کر رہا ہے' اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ موت ایک وجودی امر ہے کیونکہ وہ بھی پیدا شدہ ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا تاکہ اچھے اعمال والوں کا امتحان ہو جائے جیسے اور جگہ ہے كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو؟ تم تو مردہ تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کر دیا' پس پہلے حال یعنی عدم کو یہاں بھی موت کہا گیا اور اس پیدائش کو حیات کہا گیا' اسی لئے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ وہ پھر تمہیں مار ڈالے گا اور پھر زندہ کر دے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ بنی آدم موت کی ذلت میں تھے۔ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے حیات کا گھر بنا دیا پھر موت کا اور آخرت کو جزا کا پھر بقا کا۔ لیکن یہی روایت اور جگہ حضرت قتادہؒ کا اپنا قول ہونا بیان کی گئی ہے۔

اچھے عمل والا کون؟: ☆☆ آزمائش اس امر کی ہے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے؟ اکثر عمل والا نہیں بلکہ بہتر عمل والا' وہ باوجود

غالب اور بلند جناب ہونے کے پھر عاصیوں اور سرتاب لوگوں کے لئے جب وہ رجوع کریں اور توبہ کریں' معاف کرنے اور بخشنے والا بھی ہے۔ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے ایک پر ایک' گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک پر ایک ملا ہوا ہے' لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ درمیان میں جگہ ہے اور ایک دوسرے کے اوپر فاصلہ ہے' زیادہ صحیح یہی قول ہے اور حدیث معراج وغیرہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ پروردگار کی مخلوق میں تو کوئی نقصان نہ پائے گا بلکہ تو دیکھے گا کہ وہ برابر ہے' نہ ہیر پھیر ہے' نہ مخالفت اور بے ربطگی ہے' نہ نقصان اور عیب اور خلل ہے' اپنی نظر آسمان کی طرف ڈال اور غور سے دیکھ کہ کہیں کوئی عیب' ٹوٹ پھوٹ' جوڑ توڑ' شگاف وسوراخ دکھائی دیتا ہے؟ پھر بھی اگر شک رہے تو دو دفعہ دیکھ لے کوئی نقصان نظر نہ آئے گا' گو تو نے خوب نظریں جما کر ٹٹول کر دیکھا ہو پھر بھی ناممکن ہے کہ تجھے کوئی شکست وریخت نظر آئے' تیری نگاہیں تھک کر اور ناکام ہو کر نیچی ہو جائیں گی۔ نقصان کی نفی کر کے اب کمال کا اثبات ہو رہا ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيٰطِينِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ﴿۵﴾

بیشک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت والا بنا دیا اور انہیں شیطانوں کو رجم کرنے والا بنا دیا اور شیطانوں کے لئے ہم نے جلنے کا عذاب تیار کر دیا ○

(آیت: ۵) فرمایا آسمان دنیا کو ہم نے ان قدرتی چراغوں یعنی ستاروں سے بارونق بنا رکھا ہے جن میں بعض چلنے پھرنے والے ہیں اور بعض ایک جا ٹھہرے رہنے والے ہیں پھر ان کا ایک اور فائدہ بیان ہو رہا ہے کہ ان سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے' ان میں سے شعلے نکل کر ان پر گرتے ہیں' یہ نہیں کہ خود ستارہ ان پر ٹوٹے واللہ اعلم۔ شیاطین کی دنیا میں یہ رسوائی تو دیکھتے ہی ہو آخرت میں بھی ان کے لئے جلانے بھلسانے والا عذاب ہے۔ جیسے سورۂ صافات کے شروع میں ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی ہے اور سرکش شیطانوں سے حفاظت میں انہیں رکھا ہے وہ بلند وبالا فرشتوں کی باتیں سن نہیں سکتے اور چاروں طرف سے حملہ کر کے ہانک دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ اگر کوئی ان میں سے ایک آدھ بات اچک کر لے بھاگتا ہے تو اس کے پیچھے چمکدار تیز شعلہ لپکتا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ستارے تین فائدوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں آسمان کی زینت' شیطانوں کی مار اور راہ پانے کے نشانات' جس شخص نے اس کے سوا کوئی اور بات تلاش کی اس نے رائے کی پیروی کی اور اپنا صحیح حصہ کھو دیا اور باوجود علم نہ ہونے کے تکلف کیا (ابن جریر اور ابن ابی حاتم)

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۶﴾ اِذَآ اُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَّهِيَ تَفُورُ ﴿۷﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿۸﴾ قَالُوا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ كَبِيرٍ ﴿۹﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيٓ اَصْحٰبِ السَّعِيرِ ﴿۱۰﴾ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيرِ ﴿۱۱﴾

اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے جو بڑی جگہ ہے ○ جب اس میں یہ ڈالے جائیں گے تو اس کی گدھے کی سی آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی ○ قریب ہے کہ غصے کے مارے پھٹ جائے' جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جاتا ہے اس سے جہنم کے داروغے پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا؟ ○ وہ جواب دیتے ہیں کہ آیا تو بیشک تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور کہا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا' تم بہت بڑی گمراہی میں ہی ہو ○ اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے ○ انہوں نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا' اب یہ دوزخی دفع ہوں دور ہوں ○

جہنم کا داروغہ سوال کرے گا: ☆☆ (آیت:۶-۱۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے وہ جہنمی ہے' اس کا انجام اور جگہ بد سے بد ہے۔ یہ بلند اور مکروہ گدھے کی سی آوازیں مارنے والی اور جوش مارنے والی جہنم ہے جو ان پر جل بھن رہی ہے اور جوش اور غضب سے اس طرح کچ کچا رہی ہے کہ گویا ابھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور دوزخیوں کو زیادہ ذلیل کرنے اور آخری حجت قائم کرنے اور اقبالی مجرم بنانے کے لئے داروغہ جہنم ان سے پوچھتے ہیں کہ بدنصیبو! کیا خدا کے رسولوں نے تمہیں اس سے ڈرایا نہ تھا؟ تو یہ ہائے وائے کرتے ہوئے اپنی جانوں کو پیٹتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ آئے تو تھے لیکن وائے بدنصیبی کہ ہم نے انہیں جھوٹا جانا اور خدا کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں کو بے راہ بتایا' اب عدل خدا صاف ثابت ہو چکا ہے اور فرمان باری پورا اترتا ہے جو اس نے فرمایا مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ''ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں کرتے۔'' ایک اور جگہ ارشاد ہے حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا جب جہنمی جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے اور جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور داروغہ جہنم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ تو کہیں گے ہاں آئے تو تھے اور ڈرا بھی دیا تھا لیکن کافروں پر کلمہ عذاب حق ہو گیا۔ اب اپنے تئیں ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہمارے کان ہوتے' اگر ہم میں عقل ہوتی تو دھوکے میں نہ پڑتے رہتے' اپنے خالق و مالک کے ساتھ کفر نہ کرتے' نہ رسولوں کو جھٹلاتے نہ ان کی تابعداری سے منہ موڑتے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تو انہوں نے خود اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا' ان کے لئے لعنت ہو' دوری ہو' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگ جب تک دنیا میں اپنے آپ میں غور کریں گے اور اپنی برائیوں کو آپ دیکھ لیں گے' ہلاک نہ ہوں گے (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ قیامت والے دن اس طرح حجت قائم کی جائے گی کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ میں دوزخ میں جانے کے ہی قابل ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١٢﴾ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣﴾ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾ ع ۱۴

بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر ڈرتے رہتے ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور بڑا ثواب ○ تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو' وہ تو سینوں کی پوشیدگیوں کو بھی بخوبی جانتا ہے ○ کیا وہ بھی بے علم ہو سکتا ہے جو خالق ہو؟ پھر باریک بین اور باخبر ہو ○ وہ اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع کر دیا تا کہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کی روزیاں کھاؤ پیو' اسی کی طرف تمہیں جی کر اٹھ کھڑا ہونا ہے ○

نافرمانی سے خائف ہی مستحق ثواب ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۵) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوشخبری دے رہا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں گو تنہائی میں ہوں جہاں کسی کی نگاہیں ان پر نہ پڑ سکیں' تاہم خوف خدا سے کسی نافرمانی کے کام کو نہیں کرتے نہ اطاعت و عبادت سے جی چراتے ہیں ان کے گناہ بھی وہ معاف فرما دیتا ہے اور زبردست ثواب اور بہترین اجر عنایت فرمائے گا جیسے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جن سات شخصوں کو جناب باری اپنے عرش کا سایہ اس دن دے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا ان میں ایک وہ ہے جسے کوئی مال و جمال والی عورت زنا کاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اسے بھی جو اس طرح پوشیدگی سے صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہ لگے۔ مسند بزار میں ہے کہ صحابہؓ نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے دلوں کی جو کیفیت آپ کے سامنے ہوتی ہے آپ کے بعد وہ نہیں رہتی' آپ نے فرمایا یہ بتاؤ رب کے ساتھ تمہارا کیا خیال رہتا ہے؟ جواب دیا کہ ظاہر باطن اللہ ہی کو ہم رب مانتے ہیں۔ فرمایا جاؤ پھر یہ نفاق نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ تمہاری چھپی کھلی باتوں کا مجھے علم ہے دلوں کے خطروں سے بھی آگاہ ہوں' یہ ناممکن ہے کہ جو خالق ہو وہ عالم نہ ہو' مخلوق سے خالق بے خبر ہو' وہ تو بڑا باریک بین اور بے حد خبر رکھنے والا ہے۔ ازاں بعد اپنی نعمت کا اظہار کرتا ہے کہ زمین کو اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیا' وہ سکون کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے' ہل جل کر تمہیں نقصان نہیں پہنچاتی' پہاڑوں کی میخیں اس میں گاڑ دی ہیں' پانی کے چشمے اس میں جاری کر دیئے ہیں' راستے اس میں مہیا کر دیئے ہیں' قسم قسم کے نفع اس میں رکھ دیئے ہیں' پھل اور اناج اس میں سے نکل رہا ہے۔ جس جگہ تم جانا چاہو جا سکتے ہو' طرح طرح کی لمبی چوڑی سود مند تجارتیں کر رہے ہو' تمہاری کوششیں وہ بارآور کرتا ہے اور تمہیں اپنی روزیاں ان اسباب سے دے رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اسباب کے حاصل کرنے کی کوشش توکل کے خلاف نہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے اگر تم خدا کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کرو تو وہ تمہیں اس طرح روزیاں دے جس طرح پرندوں کو دے رہا ہے کہ اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور آسودہ حال واپس جاتے ہیں پس ان کا صبح شام آنا جانا اور رزق کو تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا کیونکہ اسباب کا پیدا کرنے والا انہیں آسان کرنے والا وہی خدائے واحد ہے اسی کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ تو مناکب سے مراد راستے کونے اور ادھر ادھر کی جگہیں لیتے ہیں اور قتادہؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد پہاڑ ہیں۔ حضرت بشیر بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور اپنی لونڈی سے جس سے انہیں اولاد ہوئی تھی فرمایا کہ اگر مناکب کی صحیح تفسیر تم بتا دو تو تم آزاد ہو' اس نے کہا مراد اس سے پہاڑ ہیں۔ آپ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جواب ملا کہ یہ تفسیر صحیح ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا
هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ
عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا
اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۘؔ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا
الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین جنبش کرنے لگے ۝ یا کیا تمہیں اس بات کا کھٹکا نہیں کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟ پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا؟ ۝ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا پس ان پر میرا عذاب کیسا کچھ ہوا؟ ۝ کیا یہ اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور کبھی کبھی سمیٹے ہوئے اڑنے والے پرندوں کو نہیں دیکھتے؟ انہیں اللہ رحمٰن ہی تھامے ہوئے ہے' بے شک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے ۝

وہ مغفرت کا مالک بھی اور گرفت پر قادر بھی ہے : ☆☆ (آیت:۱۶-۱۹) ان آیتوں میں بھی خدائے تبارک وتعالیٰ اپنے لطف و رحمت کا بیان فرما رہا ہے کہ لوگوں کے کفر وشرک کی بنا پر وہ طرح طرح کے دنیوی عذابوں پر بھی قادر ہے لیکن اس کا علم اور عفو ہے کہ وہ عذاب نہیں کرتا' جیسے اور جگہ فرمایا وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی برائیوں پر پکڑ لیتا تو روئے زمین پر کسی کو باقی نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک انہیں مہلت دیئے ہوئے ہے' جب ان کا وہ وقت آ جائے گا تو خدا ان مجرم بندوں سے آپ سمجھ لے گا- یہاں بھی فرمایا کہ زمین ادھر ادھر ہو جاتی اور ہلنے اور کانپنے لگ جاتی اور یہ سارے کے سارے اس میں دھنسا دیئے جاتے یا ان پر ایسی آندھی بھیج دی جاتی جس میں پتھر ہوتے اور ان کے دماغ توڑ دیئے جاتے جیسے اور جگہ ہے اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ یعنی کیا تم نڈر ہو گئے ہو کہ زمین کے کسی کنارے میں تم دھنس جاؤ یا تم پر وہ پتھر برسائے اور وہ کوئی نہ ہو جو تمہاری وکالت کر سکے- یہاں بھی فرمان ہے کہ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری دھمکیوں کو اور ڈرانے کو نہ ماننے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ تم آپ دیکھ لو کہ پہلے لوگوں نے بھی نہ مانا اور انکار کر کے میری باتوں کی تکذیب کی تو ان کا کس قدر برا اور عبرتناک انجام ہوا- تم میری قدرتوں کا روزمرہ کا یہ مشاہدہ کیا نہیں دیکھ رہے کہ پرند تمہارے سروں پر اڑتے پھرتے ہیں- کبھی دونوں پروں سے کبھی کسی کو روک کر- پھر کیا میرے سوا کوئی اور انہیں تھامے ہوئے ہے؟ میں نے ہواؤں کو مسخر کر دیا ہے اور یہ معلق اڑتے پھرتے ہیں- یہ بھی میرا لطف وکرم اور رحمت و نعمت ہے- مخلوقات کی حاجتیں ضرورتیں ان کی اصلاح اور بہتری کا نگراں اور کفیل میں ہی ہوں- جیسے اور جگہ فرمایا اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ کیا انہوں نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر ہیں' جن کا تھامنے والا بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں' یقیناً اس میں ایمانداروں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں-

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ۝۲۰ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝۲۱ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۲

سوائے اللہ کے تمہارا وہ کون سا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ کافر تو سراسر دھوکے میں ہیں ۝ بتاؤ تو کون ہے جو تمہیں روزیاں دے اگر اللہ اپنی روزی روک لے؟ بلکہ کافر سرکشی اور بدکنے پر اڑ گئے ہیں ۝ اچھا وہ شخص زیادہ ہدایت والا ہے جو اپنے منہ کے بل اوندھا ہو کر چلے یا وہ جو سیدھا پیروں کے بل راہ راست پر چل رہا ہو؟ ۝

رزاق صرف رب قدیر ہے : ☆☆ (آیت:۲۰-۲۲) اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس عقیدے کی تردید کر رہا ہے جو وہ خیال رکھتے تھے کہ جن بزرگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ ان کی امداد کر سکتے ہیں اور انہیں روزیاں پہنچا سکتے ہیں- تو فرماتا ہے کہ سوائے خدا کے نہ تو کوئی مدد دے

سکتا ہے نہ روزی پہنچا سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے' کافروں کا یہ عقیدہ محض ایک دھوکا ہے۔ اگر اب اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری روزیاں روک لے تو پھر کوئی بھی انہیں جاری نہیں کر سکتا۔ دینے لینے پر' پیدا کرنے اور فنا کرنے پر' رزق دینے اور مدد کرنے پر صرف اللہ عزوجل وحدہ لاشریک لہ کو ہی قدرت ہے۔ یہ لوگ خود اسے دل سے جانتے ہیں تاہم اعمال میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کفار اپنی گمراہی' کج روی' گناہ اور سرکشی میں بہے چلے جاتے ہیں۔ ان کی طبیعتوں میں ضد' تکبر اور حق سے انکار بلکہ حق کی عداوت بیٹھ چکی ہے' یہاں تک کہ بھلی باتوں کا سننا بھی نہیں گوارا' انہیں عمل کرنا تو کہاں؟ پھر مومن و کافر کی مثال بیان فرماتا ہے کہ کافر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص کمر کبڑی کر کے' سر جھکائے' نظریں نیچی کئے چلا جا رہا ہے' نہ راہ دیکھتا ہے نہ اسے معلوم ہے کہ کہاں جا رہا ہے بلکہ حیران و پریشان راہ بھولا اور ہکا بکا ہے اور مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سیدھی راہ پر سیدھا کھڑا ہوا چل رہا ہے' راستہ خود صاف اور بالکل سیدھا ہے' یہ شخص خود اسے بخوبی جانتا ہے اور برابر صحیح طور پر اچھی چال سے چل رہا ہے۔ یہی حال ان کا قیامت کے دن ہوگا کہ کافر تو اوندھے منہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے اور مسلمان عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔ جیسے اور جگہ ہے اُحْشُرُ وا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الخ ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے ان معبودوں کو جو خدا کے سواتھے جمع کر کے جہنم کا راستہ دکھا دو۔

مجرموں کا منہ کے بل چلایا جانا: ☆☆ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضور لوگ منہ کے بل چلا کر کس طرح حشر کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ صحیحین میں بھی یہ روایت ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ
قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ
وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

کہہ دے کہ وہی اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے ہیں' تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو ○ کہہ دے کہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے ○ کافر پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ظاہر ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتاؤ؟ ○ تو کہہ دے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے' میں تو صرف کھلے طور پر آگاہ کر دینے والا ہوں ○ جب یہ لوگ اس وعدے کو قریب تر پالیں گے اس وقت ان کافروں کے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے جسے تم طلب کیا کرتے تھے ○

(آیت: ۲۳-۲۷) خدا وہ ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ جب کہ تم کچھ نہ تھے پیدا کیا' تمہیں کان' آنکھ اور دل دیئے یعنی عقل و ادراک تم میں پیدا کیا لیکن تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو یعنی اپنی ان قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی حکم برداری میں اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے میں بہت ہی کم خرچ کرتے ہو۔ خدا ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا' تمہاری زبانیں جداگانہ' تمہارے رنگ روپ جداگانہ' تمہاری شکلوں صورتوں میں اختلاف اور تم زمین کے چپہ چپہ پر بسا دیئے گئے پھر اس پراگندگی اور بکھرنے کے بعد وہ وقت بھی آئے گا کہ تم سب اس

کے سامنے لا کر کھڑے کر دیئے جاؤ گے اس نے جس طرح تمہیں ادھر ادھر پھیلا دیا ہے اسی طرح ایک طرف سمیٹ لے گا اور جس طرح اولاً اس نے تمہیں پیدا کیا دوبارہ تمہیں لوٹائے گا۔

دوبارہ بٹھایا جانا: پھر بیان ہوتا ہے کہ کافر جو مر کر دوبارہ جینے کے قائل نہیں وہ اس دوسری زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں اس کا بیان سن کر اعتراض کرتے ہیں کہ اچھا پھر وہ وقت کب آئے گا جس کی ہمیں خبر دے رہے ہو اگر سچے ہو تو بتا دو کہ اس پراگندگی کے بعد اجتماع کب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ انہیں جواب دو کہ اس کا علم مجھے نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی اسے تو صرف وہی علام الغیوب جانتا ہے ہاں اتنا مجھے کہا گیا ہے کہ وہ وقت آئے گا ضرور میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں اور اس دن کی ہولناکیوں سے مطلع کر دوں میرا فرض صرف تمہیں پہنچا دینا تھا جسے بحمد للہ میں ادا کر چکا۔ پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ جب قیامت قائم ہونے لگے گی اور کفار اسے اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے اور معلوم کر لیں گے کہ اب وہ قریب آ گئی کیونکہ ہر آنے والی چیز آ کر ہی رہتی ہے گو دیر سویر آئے جب یہ اسے آ لگی ہوئی پالیں گے جسے اب تک جھٹلاتے رہے تو انہیں بہت برا لگے گا کیونکہ اپنی غفلت کا نتیجہ سامنے دیکھنے لگیں گے اور قیامت کی ہولناکیاں بدحواس کیے ہوئے ہوں گی آثار سب سامنے ہوں گے اس وقت ان سے بطور ڈانٹ کے اور بطور ذلیل کرنے کے کہا جائے گا یہی ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۱۶

تو کہہ اچھا اگر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اللہ ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے بہر صورت یہ تو بتاؤ کہ کافروں کو دردناک عذابوں سے کون بچائے گا؟ ○ تو کہہ کہ وہی رحمٰن ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے ○ تو کہہ کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے پینے کا پانی زمین چوس جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے نتھرا ہوا جاری پانی لائے؟ ○

زمین سے پانی ابلنا بند ہو جائے تو؟ ☆☆ (آیت: ۲۸-۳۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی ان مشرکوں سے کہو جو اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں کہ تم جو اس بات کی تمنا میں ہو کہ ہمیں نقصان پہنچے تو فرض کرو کہ ہمیں خدا کی طرف سے نقصان پہنچا یا اس نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر رحم کیا لیکن اس سے تمہیں کیا؟ صرف اس امر سے تمہارا چھٹکارا تو نہیں ہو سکتا؟ تمہاری نجات کی صورت یہ تو نہیں نجات تو موقوف ہے توبہ کرنے پر اللہ کی طرف جھکنے پر اس کے دین کو مان لینے پر ہمارے بچاؤ یا ہلاکت پر تمہاری نجات نہیں۔ تم ہمارا خیال چھوڑ کر اپنی بخشش کی صورت تلاش کرو۔ پھر فرمایا ہم رب العالمین رحمٰن و رحیم پر ایمان لا چکے اپنے تمام امور میں ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے۔ جیسے ارشاد ہے فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر اب تم عنقریب جان لو گے کہ دنیا اور آخرت میں فلاح و بہبود کسے ملتی ہے اور نقصان و خسران میں کون پڑتا ہے؟ رب کی رحمت کس پر ہے؟ اور ہدایت پر کون ہے؟ خدا کا غضب کس پر ہے؟ اور بری راہ پر

کون ہے؟ پھر فرماتا ہے اگر اس پانی کو جس کے پینے پر انسانی زندگی کا مدار ہے زمین چوس لے یعنی زمین سے نکلے ہی نہیں گو تم کھودتے کھودتے تھک جاؤ تو سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی ہے جو بہنے والا ابلنے والا اور جاری ہونے والا پانی تمہیں دے سکے؟ یعنی اللہ کے سوا اس پر قادر کوئی نہیں، وہی ہے جو اپنے فضل و کرم سے پاک صاف نتھرے ہوئے اور صاف پانی کو زمین پر جاری کرتا ہے جو ادھر سے ادھر تک پھر جاتا ہے اور بندوں کی حاجتوں کو پوری کرتا ہے، ضرورت کے مطابق ہر جگہ بہ آسانی مہیا ہو جاتا ہے۔ فالحمدللہ۔ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ ملک کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمدللہ رب العالمین۔ (حدیث میں ہے کہ اس آیت کے جواب میں اللہ رب العلمین کہنا چاہئے۔ مترجم)

تفسیر سورة القلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾ بِاَييِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾

اللہ رحیم و رحمان کے نام سے شروع

قسم ہے قلم کی اور اس کی جو لکھتے ہیں ○ تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ○ بیشک تیرے لئے بے انتہا ثواب ہے ○ اور بے شک تو بہت بڑے اخلاق پر ہے ○ پس اب تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے ○ کہ تم میں سے مجنون کون ہے؟ ○ بیشک تیرا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو خوب جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں کو بھی بخوبی جانتا ہے ○

نون سے کیا مراد ہے؟: ☆☆ (آیت: ۱-۷) نون وغیرہ جیسے حروف ہجا کا مفصل بیان سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں، کہا گیا ہے کہ یہاں ن سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ایک محیط عالم پانی پر ہے جو ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ ڈال، پس اس دن سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس پر قلم جاری ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی پیدا کی اور پانی کے بخارات بلند کئے جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر رکھا، مچھلی نے حرکت کی جس سے زمین بھی ہلنے لگی پس زمین پر پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط اور ساکن کر دیا پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم) مطلب یہ ہے کہ یہاں ن سے مراد یہ مچھلی ہے۔

طبرانی میں مرفوعاً مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو اور مچھلی کو پیدا کیا، قلم نے دریافت کیا میں کیا لکھوں؟ حکم ہوا ہر وہ چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے پھر آپ نے پہلی آیت کی تلاوت کی۔ پس نون سے مراد یہ مچھلی ہے اور قلم سے مراد یہ قلم ہے۔ ابن عساکر کی حدیث میں ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر نون یعنی دوات کو پھر قلم سے فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا؟ فرمایا جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے۔ عمل، رزق، عمر، موت وغیرہ پس قلم نے سب کچھ لکھ لیا یہی مراد ہے اس آیت میں۔ پھر قلم پر مہر لگا دی اب وہ قیامت تک نہ چلے گا، پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم! اپنے دوستوں میں تو میں تجھے کمال تک پہنچاؤں گا اور اپنے دشمنوں میں تجھے ناقص

رکھوں گا۔ مجاہد فرماتے ہیں یہ مشہور تھا کہ نون سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ بغوی وغیرہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کی پیٹھ پر ایک چٹان ہے جس کی موٹائی آسمان و زمین کے برابر ہے اس پر ایک بیل ہے جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں اس کی پیٹھ پر ساتوں زمینیں اور ان پر تمام مخلوق ہے واللہ اعلم۔

اور تعجب تو یہ ہے کہ ان بعض مفسرین نے اس حدیث کو بھی انہی معانی پر محمول کیا ہے جو مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ آ گئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور بہت کچھ سوالات کئے۔ کہا کہ میں وہ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنہیں نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ بتلایئے قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کبھی بچہ اپنے باپ کی طرف کھنچتا ہے کبھی ماں کی طرف؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ باتیں ابھی ابھی جبرئیل نے مجھے بتا دیں۔ ابن سلام کہنے لگے فرشتوں میں سے یہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے' آپ نے فرمایا سنو قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ کا نکلنا ہے جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے اور اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر سابق آ جائے تو لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جائے تو وہی کھینچ لیتی ہے۔

دوسری حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ پوچھا جنتیوں کے اس کھانے کے بعد انہیں کیا ملے گا فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت میں چرتا چگتا رہا تھا۔ پوچھا انہیں پانی کون سا ملے گا؟ فرمایا سلسبیل نامی نہر کا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد ن سے نور کی تختی ہے۔ ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد نور کی تختی اور نور کا قلم ہے جو قیامت تک کے احوال پر چل چکا ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے کہ یہ نورانی قلم سو سال کی طوالت رکھتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ن سے مراد دوات ہے اور قلم سے مراد قلم ہے۔ حسنؒ اور قتادہؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ مروی ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ نے نون کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نون یعنی دوات کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا پھر فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا جو قیامت تک ہونے والا ہے اعمال خواہ نیک ہوں خواہ بد' روزی خواہ حلال ہو خواہ حرام' پھر یہ بھی کہ کون سی چیز دنیا میں کب جائے گی؟ کس قدر رہے گی؟ کیسے نکلے گی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر محافظ فرشتے مقرر کئے اور کتاب پر داروغے مقرر کئے۔ حافظ فرشتے ہر دن ان کے عمل خازن فرشتوں سے دریافت کر کے لکھ لیتے ہیں' جب رزق ختم ہو جاتا ہے' عمر پوری ہو جاتی ہے' اجل آ پہنچتی ہے تو حافظ فرشتے داروغہ فرشتوں کے پاس آ کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ آج کے دن کا کیا سامان ہے؟ وہ کہتے ہیں بس اس شخص کے لئے ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا۔ یہ سن کر یہ فرشتے نیچے اترتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ مر گیا۔ اس بیان کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم تو عرب ہو کیا تم نے قرآن میں حافظ فرشتوں کی بابت یہ نہیں پڑھا اِنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے اعمال کو اصل سے نقل کر لیا کرتے تھے۔

قلم سے کیا مراد ہے؟ : ☆☆ یہ تو تھا لفظ ن کے متعلق بیان اب قلم کی نسبت سنئے۔ بہ ظاہر مراد یہاں عام قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے جیسے اور جگہ فرمان عالیشان ہے اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ یعنی اس اللہ نے قلم سے لکھنا سکھایا پس اس کی قسم کھا کر اس بات پر آگاہی کی جاتی ہے کہ مخلوق پر میری ایک نعمت یہ بھی ہے کہ میں نے انہیں لکھنا سکھایا جس سے علوم تک ان کی رسائی ہو سکے۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا وَمَا يَسْطُرُوْنَ یعنی اس چیز کی قسم جو لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر یہ بھی مروی ہے کہ اس چیز کی جو جانتے ہیں۔

سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد اس سے فرشتوں کا لکھنا ہے جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اور دیگر مفسرین کہتے ہیں مراد اس سے وہ قلم ہے جو قدرتی طور پر چلا اور تقدیریں لکھیں' آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اور اس قول کی دلیل میں یہ جماعت وہ حدیثیں وارد کرتی ہے جو قلم کے ذکر میں مروی ہیں۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر لکھا گیا۔

نبی دیوانہ نہیں ہوتا: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! تو بحمد للہ دیوانہ نہیں جیسے کہ تیری قوم کے جاہل منکرین حق کہتے ہیں بلکہ تیرے لئے اجر عظیم ہے اور ثواب بے پایاں ہے جو نہ ختم ہو نہ ٹوٹے نہ کٹے کیونکہ تو نے حق رسالت ادا کر دیا ہے اور ہماری راہ میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی ہیں۔ ہم تجھے بے حساب بدلہ دیں گے' تو بہت بڑے خلق پر ہے یعنی دین اسلام پر اور بہترین ادب پر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اخلاق نبوی کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتی ہیں کہ آپ کا خلق قرآن تھا۔ سعیدؒ فرماتے ہیں یعنی جیسے کہ قرآن میں ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ صدیقہؓ نے پوچھا کہ کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ سائل حضرت سعید بن ہشام نے کہا ہاں پڑھا ہے۔ آپ نے فرمایا بس تو آپ کا خلق قرآن کریم تھا۔ مسلم میں یہ حدیث پوری ہے جسے ہم سورۂ مزمل کی تفسیر میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

خلق رسولؐ: ☆☆ بنو سواد کے ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے یہی فرما کر پھر آیت وانک لعلی خلق عظیم پڑھی۔ اس نے کہا کوئی ایک آدھ واقعہ تو بیان کیجئے؟ مائی صاحبہ نے فرمایا سنو! ایک مرتبہ میں نے بھی آپؐ کے لئے کھانا پکایا اور حضرت حفصہؓ نے بھی' میں نے اپنی لونڈی سے کہا دیکھ اگر میرے کھانے سے پہلے حضرت حفصہؓ کے ہاں کا کھانا آ جائے تو تو گرا دینا' چنانچہ اس نے یہی کیا اور برتن بھی ٹوٹ گیا۔ حضور بکھرے ہوئے کھانے کو سمیٹنے لگے اور فرمایا اس برتن کے بدلے ثابت برتن تم دو۔ واللہ اور کچھ ڈانٹا ڈپٹا نہیں (مسند احمد)

مطلب اس حدیث کا جو کئی طریق سے مختلف الفاظ میں کئی کتابوں میں ہے یہ ہے کہ ایک تو آپ کی جبلت اور پیدائش میں ہی رب العلمین نے پسندیدہ اخلاق' بہترین خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھیں اس پر آپ کا عمل قرآن کریم پر ایسا تھا کہ گویا احکام قرآن کا مجسم عملی نمونہ آپ ہیں ہر حکم کو بجالانے اور ہر نہی سے رک جانے میں آپ کی حالت یہ تھی کہ گویا قرآن میں جو کچھ ہے وہ آپ کی عادتوں اور آپ کے کریمانہ اخلاق کا بیان ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی لیکن کسی دن اف تک نہیں کہا' کسی کرنے کے کام کو نہ کروں یا نہ کرنے کے کام کو کر گزروں تو بھی ڈانٹ ڈپٹ تو کجا اتنا بھی نہ فرماتے کہ ایسا کیوں ہوا؟

حضورؐ کا حلیہ مبارک: ☆☆ حضورؐ سب سے زیادہ خوش خلق تھے۔ حضور کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ تو ریشم ہے نہ کوئی اور چیز' حضور کے پسینہ سے زیادہ خوشبو والی چیز میں نے تو کوئی نہیں سونگھی نہ مشک اور نہ عطر (صحیحین) صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براء فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ خلیق تھے' آپ کا قد نہ تو بہت لانبا تھا نہ آپ پست قامت تھے اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے نہ تو کبھی کسی خادم یا غلام کو مارا نہ بیوی بچوں کو نہ کسی اور کو ہاں اللہ کی راہ کا جہاد الگ چیز ہے۔ جب کبھی دو کاموں میں آپ کو اختیار دیا جاتا تو آپ اسے پسند کرتے جو زیادہ آسان ہوتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اس میں کچھ گناہ ہو تو آپ اس سے بہت دور ہو جاتے' کبھی بھی حضورؐ نے اپنا بدلہ کسی سے نہیں لیا

ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی خدا کی حرمتوں کو توڑتا ہو تو آپ خدا کے احکام جاری کرنے کے لئے ضرور انتقام لیتے۔ مسند احمد میں ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں میں بہترین اخلاق اور پاکیزہ ترین عادتوں کو پورا کرنے کے لئے آیا ہوں۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ اور آپ کے مخالف اور منکر ابھی ابھی جان لیں گے کہ دراصل بہکا ہوا اور گمراہ کون تھا؟ جیسے اور جگہ ہے سَیَعۡلَمُوۡنَ غَدًا مَّنِ الۡکَذَّابُ الۡاَشِرُ انہیں ابھی کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور شیخی باز کون تھا؟ جیسے اور جگہ ہے وَاِنَّاۤ اَوۡ اِیَّاکُمۡ لَعَلٰی ھُدًی اَوۡ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی پر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی یہ حقیقت قیامت کے دن کھل جائے گی۔ آپ سے مروی ہے کہ مفتون مجنون کو کہتے ہیں' مجاہد وغیرہ کا بھی یہی قول ہے' قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی کون شیطان سے نزدیک تر ہے؟ مفتون کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو حق سے بہک جائے اور گمراہ ہو جائے۔ اَیِّکُمۡ پر باء کو اس لئے داخل کیا گیا ہے کہ دلالت ہو جائے کہ فَسَتُبۡصِرُ وَیُبۡصِرُوۡنَ میں تضمین فعل ہے تو تقدیری عبارت کو ملا کر ترجمہ یوں ہو جائے گا کہ تو بھی اور وہ بھی عنقریب جان لیں گے اور تو بھی اور وہ سب بھی بہت جلدی مفتون کی خبر دے دیں گے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے بہکنے والے اور راہ راست والے سب خدا پر ظاہر ہیں اسے خوب معلوم ہے کہ راہ راست سے کس کا قدم پھسل گیا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۸﴾ وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَیُدۡهِنُوۡنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعۡ کُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیۡنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیۡمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِیۡمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٍ ﴿۱۳﴾ اَنۡ کَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِیۡنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَی الۡخُرۡطُوۡمِ ﴿۱۶﴾

پس تو جھٹلانے والوں کی نہ مان ○ وہ تو چاہتے ہیں کہ تو سستی کرے تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں ○ اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہنا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا بے وقار ○ کمینہ' عیب گو' چغل خور ○ بھلائی سے روکنے والا' حد سے بڑھ جانے والا گناہ گار ○ گردن کش پھر ساتھ ہی مشہور بدنام ہو ○ اس کی سرکشی صرف اس لئے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے ○ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے قصے ہیں ○ ہم بھی اس کی ناک پر داغ دیں گے ○

زیادہ قسمیں کھانے والے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں: ☆☆ (آیت:۸-۱۶) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے نبی! جو نعمتیں ہم نے تجھے دیں جو صراط مستقیم اور خلق عظیم ہم نے تجھے عطا فرمایا' اب تجھے چاہئے کہ ہماری نہ ماننے والوں کو تو نہ مان' ان کی تو عین خوشی ہے کہ آپ ذرا بھی نرم پڑیں تو یہ کھل کھیلیں اور یہ بھی مطلب ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے معبودان باطل کی طرف کچھ تو رخ کریں' حق سے ذرا سا تو ادھر ادھر ہو جائیں۔ پھر فرماتا ہے کہ زیادہ قسمیں کھانے والے کمینے شخص کی بھی نہ مان چونکہ جھوٹے شخص کو اپنی ذلت اور کذب بیانی کے ظاہر ہو جانے کا ڈر رہتا ہے اس لئے وہ قسمیں کھا کھا کر دوسرے کو اپنا یقین دلانا چاہتا ہے' دھڑا دھڑ قسموں پر قسمیں کھائے چلا جاتا ہے اور خدا کے ناموں کو بے موقع استعمال کرتا پھرتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مہین سے مراد کاذب ہے۔ مجاہد کہتے ہیں ضعیف دل والا' حسن کہتے ہیں حلاف مکابرہ کرنے والا اور مہین ضعیف' ہماز غیبت کرنے والا چغل خور جو ادھر کی ادھر لگائے اور ادھر کی ادھر تاکہ فساد ہو جائے' طبیعتوں میں بل اور دل میں بیر آ جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے راستے میں دو قبریں آ گئیں' آپ نے فرمایا' ان دونوں

کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے امر پر نہیں ایک تو پیشاب کرنے میں پردے کا خیال نہ رکھتا تھا' دوسرا چغل خور تھا۔'' (بخاری مسلم) فرماتے ہیں چغل خور جنت میں نہ جائے گا (مسند) دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اس وقت سنائی تھی جب آپ سے کہا گیا کہ یہ شخص خفیہ پولیس کا آدمی ہے۔

سب سے بہتر اور سب سے بدتر شخص: ☆☆ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بھلا شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور ارشاد فرمایئے فرمایا وہ کہ جب انہیں دیکھا جائے خدا یاد آ جائے اور سن لو سب سے بدتر شخص وہ ہے جو چغل خور ہو دوستوں میں فساد ڈلوانے والا ہو پاک صاف لوگوں کو تہمت لگانے والا ہو۔ ترمذی میں بھی یہ روایت ہے پھر ان بدلوگوں کے ناپاک خصائل بیان ہو رہے ہیں کہ بھلائیوں سے باز رہنے والا اور باز رکھنے والا ہے' حلال چیزوں اور حلال کاموں سے ہٹ کر حرام خوری اور حرام کاری میں پڑتا ہے۔ گنہگار' بدکردار' محرمات کو استعمال کرنے والا' بدخو' بدگو' جمع کرنے والا اور نہ دینے والا ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا جنتی لوگ گرے پڑے عاجز وضعیف ہیں جو خدا کے ہاں اس بلند مرتبہ پر ہیں کہ اگر وہ قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ پوری کر دے اور جہنمی لوگ سرکش متکبر اور خود بین ہوتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے جمع کرنے والے اور نہ دینے والے بدگو اور سخت خلق۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا عتل زنیم کون ہے؟ فرمایا بدخلق' خوب کھانے پینے والا' لوگوں پر ظلم کرنے والا پیٹو آدمی۔ لیکن اس روایت کو اکثر راویوں نے مرسل بیان کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے اس نالائق شخص پر آسمان روتا ہے جسے خدا نے تندرستی دی' پیٹ بھر کھانے کو دیا' مال و جاہ بھی عطا فرمایا پھر بھی لوگوں پر ظلم وستم کر رہا ہے۔ یہ حدیث بھی دو مرسل طریقوں سے مروی ہے۔ غرض عتل کہتے ہیں جس کا بدن صحیح ہو' طاقتور ہو اور خوب کھانے پینے والا زوردار شخص ہو۔ زنیم سے مراد بدنام ہے جو برائی میں مشہور ہو۔ لغت عرب میں زنیم اسے کہتے ہیں جو کسی قوم میں سمجھا جاتا ہو لیکن دراصل اس کا نہ ہو۔ عرب شاعروں نے اسے اسی معنی میں باندھا ہے یعنی جس کا نسب صحیح نہ ہو۔ کہا گیا ہے کہ مراد اس سے اخنس بن شریق ثقفی ہے جو بنو زہرہ کا حلیف تھا اور بعض کہتے ہیں یہ اسود بن عبد یغوث زہری ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں ولد الزنا مراد ہے' یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جس طرح ایک بکری جو تمام بکریوں میں سے الگ تھلگ اپنا چرا ہوا کان اپنی گردن پر لٹکائے ہوئے ہو تو یہ یک نگاہ پہچان لی جاتی ہے اسی طرح کافر مومنوں میں پہچان لیا جاتا ہے۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن خلاصہ سب کا صرف اسی قدر ہے کہ زنیم وہ شخص ہے جو برائی سے مشہور ہو اور عموماً ایسے لوگ ادھر ادھر سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جن کے صحیح نسب کا اور حقیقی باپ کا پتہ نہیں ہوتا' ایسوں پر شیطان کا غلبہ بہت زیادہ رہا کرتا ہے۔ جیسے حدیث میں ہے زنا کی اولاد جنت میں نہیں جائے گی اور ایک روایت میں ہے کہ زنا کی اولاد تین برے لوگوں کی برائی کا مجموعہ ہے اگر وہ بھی اپنے ماں باپ کے سے کام کرے۔

پھر فرمایا اس کی ان شرارتوں کی وجہ یہ ہے کہ یہ مالدار اور بیٹوں کا باپ بن گیا ہے' ہماری اس نعمت کا گن گانا تو کہاں ہماری آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور توہین کر کے کہتا پھرتا ہے کہ یہ تو پرانے افسانے ہیں اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا مجھے چھوڑ دے اور اسے جسے میں نے یکتا پیدا کیا ہے اور بہت سا مال دیا ہے اور حاضر باش لڑکے دیئے ہیں اور بھی بہت کشادگی دے رکھی ہے پھر بھی اس کی طمع ہے کہ میں اسے اور دوں' ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو میری آیتوں کا مخالف ہے' میں اسے عنقریب بدترین مصیبت میں ڈالوں گا' اس نے غور و فکر کر کے اندازہ لگایا' یہ تباہ ہو کتنی بری تجویز اس نے سوچی؟ میں پھر کہتا ہوں یہ برباد ہو اس نے کیسی بری تجویز اس نے سوچی پھر نظر ڈالی اور ترش رو ہو کر منہ بنا لیا پھر منہ پھیر کر اٹھنے لگا اور کہہ دیا کہ یہ کلام اللہ تو پرانا نقل کیا ہوا جادو ہے' صاف ظاہر ہے کہ یہ انسانی کلام ہے' اس کی اس بات پر میں بھی اسے سقر میں ڈالوں گا' تجھے کیا معلوم کہ سقر کیا ہے؟ نہ وہ باقی رکھے نہ چھوڑے' پنڈے پر لپٹ جاتی ہے' اس پر انیس

فرشتے متعین ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ اس کی ناک پر ہم داغ لگائیں گے یعنی اسے ہم اس قدر رسوا کریں گے کہ اس کی برائی کسی پر پوشیدہ نہ رہے‘ ہر ایک اسے جان پہچان لے جیسے نشاندار ناک والے کو بہ یک نگاہ ہزاروں میں لوگ پہچان لیتے ہیں اور جو داغ چھپائے نہ چھپ سکے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بدر والے دن اس کی ناک پر تلوار لگے گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیامت والے دن جہنم کی مہر لگے گی یعنی منہ کالا کر دیا جائے گا۔ تو ناک سے مراد پورا چہرہ ہوا۔ امام ابو جعفر ابن جریر نے ان تمام اقوال کو وارد کر کے فرمایا ہے کہ ان سب میں تطبیق اس طرح ہو جاتی ہے کہ یہ کل امور اس میں جمع ہو جائیں‘ یہ بھی ہو وہ بھی ہو‘ دنیا میں بھی رسوا ہو سچ مچ ناک پر نشان لگے‘ آخرت میں بھی نشاندار مجرم بنے۔ فی الواقع یہ ہے بہت درست۔ ابن ابی حاتم میں فرمان رسول ہے کہ بندہ ہزار ہا پھر ہزار ہا برس تک خدا کے ہاں مومن لکھا رہتا ہے لیکن مرتا اس حالت میں ہے کہ خدا اس پر ناراض ہوتا ہے اور بندہ خدا کے ہاں کافر ہزار ہا سال تک لکھا رہتا ہے پھر مرتے وقت خدا اس سے خوش ہو جاتا ہے‘ جو شخص عیب گوئی اور چغل خوری کی حالت میں مرے‘ جو لوگوں کو بدنام کرنے والا ہو قیامت کے دن اس کی ناک پر دونوں ہونٹوں کی طرف سے نشان لگا دیا جائے جو اس مجرم کی علامت بن جائے گا۔

إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا۟ لَيَصْرِمُ
نَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ
مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَٱلصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا۟
مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ ٱغْدُوا۟ عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰرِمِينَ ﴿٢٢﴾
فَٱنطَلَقُوا۟ وَهُمْ يَتَخَٰفَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا ٱلْيَوْمَ عَلَيْكُم
مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا۟ عَلَىٰ حَرْدٍ قَٰدِرِينَ ﴿٢٥﴾

بیشک ہم نے انہیں اسی طرح آزما لیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا‘ جب کہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کا پھل اتار لیں گے ○ اور ان شاء اللہ نہ کہا ○ پس اس پر تیرے رب کی جانب سے ایک بلا چوطرف گھوم گئی اور یہ سوتے ہی رہے تھے ○ پس وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی ○ اب صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں کہ ○ اگر تمہیں پھل اتارنے ہیں تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی سویرے چلو ○ پھر یہ سب چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے ○ اس خوف سے کہ آج کے دن کوئی مسکین تمہارے پاس نہ آ جائے ○ اور لپکے ہوئے صبح ہی صبح پہنچ گئے‘ سمجھ رہے تھے کہ ہم قابو پا گئے ○

سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی: ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۵) یہاں ان کافروں کی جو حضورؐ کی نبوت کو جھٹلا رہے تھے مثال بیان ہو رہی ہے کہ جس طرح یہ باغ والے تھے کہ خدا کی نعمت کی ناشکری کی اور خدا کے عذابوں میں اپنے تئیں ڈال دیا‘ یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ خدا کی نعمت یعنی حضورؐ کی پیغمبری کی ناشکری یعنی انکار نے انہیں بھی خدا کی ناراضگی کا مستحق کر دیا ہے‘ تو فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بھی آزما لیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا‘ جس باغ میں طرح طرح کے پھل میوے وغیرہ تھے ان لوگوں نے آپس میں قسمیں کھائیں کہ صبح سے پہلے ہی پہلے رات کے وقت پھل اتار لیں گے تاکہ فقیروں مسکینوں اور سائلوں کو پتہ نہ چلے جو وہ آ کھڑے ہوں اور ہمیں ان کو بھی دینا پڑے بلکہ کل پھل اور میوے خود ہی لے آئیں گے‘ اپنی اس تدبیر کی کامیابی پر انہیں غرور تھا اور اس خوشی میں پھولے ہوئے تھے یہاں تک کہ خدا کو بھی بھول گئے‘ ان شاء اللہ تک کسی کی زبان سے نہ نکلا اس لئے ان کی یہ قسم پوری نہ ہوئی۔ رات ہی رات میں ان کے پہنچنے سے پہلے آسمانی

آفت نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا' ایسا ہو گیا جیسے سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی۔ اسی لئے حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگو گناہوں سے بچو' گناہوں کی شامت کی وجہ سے انسان اس روزی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کر دی گئی ہے پھر حضور نے ان دو آیتوں کی تلاوت کی کہ یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہ کے اپنے باغ کے پھل اور اس کی پیداوار سے بے نصیب ہو گئے (ابن ابی حاتم)

صبح کے وقت یہ آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اگر پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو اب دیر نہ لگاؤ' سویرے ہی چل پڑو۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ باغ انگور کا تھا اب یہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے تاکہ کوئی سن نہ لے اور غریب غرباء کو پتہ نہ لگ جائے چونکہ ان کی سرگوشیاں اس اللہ سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں جو دلی ارادوں سے بھی پوری طرح واقف رہتا ہے' وہ بیان فرماتا ہے کہ ان کی وہ خفیہ باتیں یہ تھیں کہ دیکھو ہوشیار رہو کوئی مسکین بھنک پا کر کہیں آج آ نہ جائے' ہرگز کسی فقیر کو باغ میں گھسنے ہی نہ دینا' اب قوت و شدت کے ساتھ پختہ ارادے اور غریبوں پر غصے کے ساتھ اپنے باغ کو چلے۔ سدیؒ فرماتے ہیں حرد ان کی بستی کا نام تھا لیکن یہ کچھ زیادہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا' یہ جانتے تھے کہ اب ہم پھلوں پر قابض ہیں ابھی اتار کر سب لے آئیں گے۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

جب انہوں نے باغ کو دیکھا تو کہنے لگے یقیناً ہم راستہ بھول گئے ○ نہیں نہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی ○ ان سب میں جو بہتر تھا اس نے کہا کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی پاکیزگی کیوں بیان نہیں کرتے؟ ○ تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم ظالم ہیں ○ اب ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں ملامت کرنے لگے ○ کہنے لگے ہائے افسوس یقیناً ہم سرکش تھے ○ کیا عجب کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے ہم اپنے رب سے ہی آرزو رکھتے ہیں ○ یونہی آتی ہے آفت' اور آخرت کی آفت بہت بری ہے کاش کہ انہیں سمجھ ہوتی ○

(آیت: ۲۶-۳۳) لیکن جب وہاں پہنچے تو ہکے بکے ہو گئے' دیکھتے ہیں کہ لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ میوؤں سے لدے ہوئے درخت اور پکے ہوئے پھل سب غارت اور برباد ہو چکے ہیں' سارے باغ میں آندھی پھر گئی ہے اور کل باغ میوؤں سمیت جل کر کوئلہ ہو گیا ہے کوئی پھل آدمی کے دام کا بھی نہیں رہا ساری تروتازگی پیوست سے بدل گئی ہے' باغ سارا کا سارا جل کر راکھ ہو گیا ہے درختوں کے کالے کالے ڈراؤنے ٹھنڈ کھڑے ہوئے ہیں تو پہلے تو سمجھے کہ ہم راہ بھول گئے کسی اور باغ میں چلے آئے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا طریقہ کار غلط تھا جس کا یہ نتیجہ ہے پھر بغور دیکھنے سے جب یقین ہو گیا کہ باغ تو یہ ہمارا ہی ہے تب سمجھ گئے اور کہنے لگے ہے تو یہی لیکن ہم بدقسمت ہیں' ہمارے نصیب میں ہی اس کا پھل اور فائدہ نہیں۔ ان سب میں جو عدل و انصاف والا اور بھلائی اور بہتری والا تھا وہ بول پڑا کہ دیکھو میں تو پہلے ہی تم سے کہتا تھا کہ تم ان شاء اللہ کیوں نہیں کہتے۔ سدیؒ فرماتے ہیں ان کے زمانہ میں سبحان اللہ کہنا بھی ان شاء اللہ کہنے کے قائم مقام تھا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اس کے معنی ہی ان شاء اللہ کہنے کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے بہتر شخص نے ان سے کہا کہ دیکھو میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم کیوں اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور اس کی حمد و ثنا نہیں کرتے؟ یہ سن کر اب وہ کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اب اطاعت بجالائے جبکہ عذاب پہنچ چکا۔ اب اپنی تقصیر کو مانا جب سزا دے دی گئی اب تو ایک دوسروں کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے بہت ہی برا کیا کہ مسکینوں کا حق مارنا چاہا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے رک گئے۔ پھر سبھوں نے کہا کہ کوئی شک نہیں ہماری سرکشی حد سے بڑھ گئی اسی وجہ سے خدائی عذاب آیا' پھر کہتے ہیں شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے یعنی دنیا میں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آخرت کے خیال سے انہوں نے یہ کہا ہو' واللہ اعلم۔ بعض سلف کا قول ہے کہ یہ واقعہ اہل یمن کا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں یہ لوگ فروان کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ تھے مذہباً اہل کتاب تھے' یہ باغ انہیں ان کے باپ کے ورثے میں ملا تھا' اس کا یہ دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکال کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے سال بھر کا خرچ رکھ کر باقی نفع اللہ تعالیٰ کے نام صدقہ کر دیتا تھا' اس کے انتقال کے بعد ان بچوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ہمارا باپ تو بیوقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ہر سال ادھر ادھر دے دیتا تھا' ہم ان فقیروں کو اگر نہ دیں اور اپنا مال باقاعدہ سنبھالیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں۔ یہ ارادہ انہوں نے پختہ کر لیا تو ان پر وہ عذاب آیا جس نے اصل مال بھی تباہ کر دیا اور بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ پھر فرماتا ہے جو شخص بھی خدا کے حکموں کا خلاف کرے اور خدا کی نعمتوں میں بخل کرے اور مسکینوں محتاجوں کا حق ادا نہ کرے اور خدا کی نعمت کی ناشکری کرے اس پر اسی طرح کے عذاب نازل ہوتے ہیں اور یہ تو دنیوی عذاب ہیں' آخرت کے عذاب تو ابھی باقی ہیں جو سخت تر اور بدتر ہیں۔ بیہقی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت کھیتی کاٹنے اور باغ کے پھل اتارنے سے منع فرما دیا ہے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿۳۴﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿۳۷﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَكُمْ أَيْمٰنٌ عَلَيْنَا بٰلِغَةٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿۴۰﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَآئِهِمْ إِنْ كَانُوا صٰدِقِينَ ﴿۴۱﴾

پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں ○ کیا ہم مسلمانوں کو مثل گنہگاروں کے کر دیں؟ ○ تمہیں کیا ہو گیا کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ ○ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے؟ ○ جسے تم پڑھتے ہو؟ اور اس میں تمہاری من مانی باتیں ہوں؟ ○ یا تم سے ہم نے کوئی ایسی قسمیں کھائی ہیں جو قیامت تک باقی رہیں کہ تمہارے لئے وہ سب ہے جو تم مقرر کرو ○ ان سے پوچھو تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمہ دار ہے؟ ○ کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہئے کہ لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو اگر یہ سچے ہیں ○

گنہگار اور نیکوکار دونوں کی جزا کا مختلف ہونا لازم ہے: ☆☆ (آیت: ۳۴-۴۱) اوپر چونکہ دنیوی جنت والوں کا حال بیان ہوا تھا اور خدا کی نافرمانی اور اس کے حکم کا خلاف کرنے سے ان پر جو بلا اور آفت آئی اس کا ذکر ہوا تھا اس لئے اب ان متقی پرہیزگار لوگوں کا حال ذکر کیا

گیا جنہیں آخرت میں جنتیں ملیں گی جن کی نعمتیں نہ فنا ہوں نہ گھٹیں نہ ختم ہوں نہ سڑیں نہ گلیں' پھر فرماتا ہے کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمان اور گنہگار جزا میں یکساں ہو جائیں؟ قسم ہے زمین و آسمان کے رب کی کہ یہ نہیں ہو سکتا' کیا ہو گیا ہے تم کس طرح یہ چاہتے ہو؟ کیا تمہارے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتری ہوئی کوئی ایسی کتاب ہے جو خود تمہیں بھی محفوظ ہو اور اگلوں کے ہاتھوں تم پچھلوں تک پہنچی ہو اور اس میں وہی ہو جو تمہاری چاہت ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ ہمارا کوئی مضبوط وعدہ اور عہد تم سے ہے کہ تم جو کہہ رہے ہو وہی ہوگا اور تمہاری بے جا اور غلط خواہشیں پوری ہو کر ہی رہیں گی؟ ان سے ذرا پوچھو تو کہ اس بات کا کون ضامن ہے اور کس کے ذمے یہ کفالت ہے؟ نہ سہی تمہارے جو جھوٹے معبود ہیں انہی کو اپنی سچائی کے ثبوت میں پیش کرو۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ﴿٤٣﴾ فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٤﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٤٥﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿٤٦﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے ○ نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھا رہی ہوگی' یہ سجدے کے لئے اس وقت بلائے جاتے تھے جب صحیح سالم تھے ○ مجھے اور اس کلام کے جھٹلانے والے کو چھوڑ دے ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہو ○ اور میں انہیں مہلت دوں گا' میری تدبیر بڑی مضبوط ہے ○ کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے؟ جس تاوان سے یہ دبے جاتے ہیں ○ یا کیا ان کے پاس علم غیب ہے جو وہ لکھ رہے ہیں ○

سجدہ اس وقت منافقوں کے بس میں نہیں ہوگا: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۷) اوپر چونکہ بیان ہوا تھا کہ پرہیزگار لوگوں کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں اس لئے یہاں بیان ہو رہا ہے کہ یہ جنتیں انہیں کب ملیں گی؟ تو فرمایا کہ اس دن جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی یعنی قیامت کے دن جو دن بڑی ہولناکیوں والا' زلزلوں والا' امتحان والا اور آزمائش والا اور بڑے بڑے اہم امور کے ظاہر ہونے کا دن ہوگا۔ صحیح بخاری شریف میں اس جگہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے ہمارا رب اپنی پنڈلی کھول دے گا پس ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت سجدے میں گر پڑے گی' ہاں دنیا میں جو لوگ دکھاوے سناوے کے لئے سجدے کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی کمر تختہ کی طرح ہو جائے گی یعنی ان سے سجدے کے لئے جھکا نہ جائے گا۔ یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے اور دوسری کتابوں میں بھی ہے' کئی کئی سندوں سے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث مطول اور مشہور ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ دن تکلیف' دکھ درد اور شدت کا دن ہے (ابن جریر) اور ابن جریر اسے دوسری سند سے شک کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ابن مسعودؓ یا ابن عباسؓ سے يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کی تفسیر میں بہت بڑا عظیم الشان امر مروی ہے جیسے شاعر کا قول ہے شَالَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ یہاں بھی لڑائی کی عظمت اور بڑائی بیان کی گئی ہے' مجاہدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

فرماتے ہیں قیامت کے دن کی یہ گھڑی بہت سخت ہوگی' آپ فرماتے ہیں یہ امر بہت سخت' بڑی گھبراہٹ والا اور ہولناک ہے- آپ فرماتے ہیں جس وقت امر کھول دیا جائے گا' اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور یہ کھلنا آخرت کا آ جانا ہے اور اس سے کام کا کھل جانا ہے- یہ سب روایتیں ابن جریر میں ہیں اس کے بعد یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا مراد بہت بڑا نور ہے' لوگ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے' یہ حدیث ابویعلیٰ میں بھی ہے اور اس کی اسناد میں ایک مبہم راوی ہے واللہ اعلم- (یاد رہے کہ صحیح تفسیر وہی ہے جو بخاری مسلم کے حوالے سے اوپر مرفوع حدیث میں گزری کہ اللہ عزوجل اپنی پنڈلی کھولے گا دوسری حدیث بھی مطلب کے لحاظ سے ٹھیک ہے کیونکہ خدا خود نور ہے- اور اقوال بھی اس طرح ٹھیک ہیں کہ خدائے عالم کی پنڈلی بھی ظاہر ہوگی اور ساتھ ہی وہ ہولناکیاں اور شدتیں بھی ہوں گی واللہ اعلم- مترجم)

دنیا میں سجدہ نہ کرنے والے کی قیامت کو حالت: ☆☆ پھر فرمایا آج کے دن ان لوگوں کی آنکھیں اوپر کو نہ اٹھیں گی اور ذلیل و پست ہو جائیں گے کیونکہ دنیا میں بڑے سرکش اور کبر و غرور والے تھے' صحت اور سلامتی کی حالت میں دنیا میں جب انہیں سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا تو رک جاتے تھے جس کی سزا یہ ملی کہ آج سجدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے' پہلے کر سکتے تھے لیکن نہیں کرتے تھے- اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر مومن سب سجدے میں گر پڑیں گے لیکن کافر و منافق سجدہ نہ کر سکیں گے' کمر تختہ ہو جائے گی' جھکے گی ہی نہیں بلکہ پیٹھ کے بل چت گر پڑیں گے- یہاں بھی ان کی حالت مومنوں کے خلاف تھی وہاں بھی خلاف ہی رہے گی- پھر فرمایا مجھے اور میری اس حدیث یعنی قرآن کو جھٹلانے والوں کو تو چھوڑ تو دے- اس میں بڑی وعید ہے اور سخت ڈانٹ ہے کہ تو ٹھہر جا میں آپ ان سے نپٹ لوں گا' دیکھ تو سہی کہ کس طرح بتدریج انہیں پکڑتا ہوں- یہ اپنی سرکشی اور غرور میں پڑتے جائیں گے' میری ڈھیل کے راز کو نہ سمجھیں گے اور پھر ایک دم یہ پاپ کا گھڑا پھوٹے گا اور میں اچانک انہیں پکڑ لوں گا- میں انہیں بڑھاتا رہوں گا' یہ بدمست ہوتے چلے جائیں' وہ اسے کرامت سمجھیں گے حالانکہ وہ اہانت ہوگی' جیسے اور جگہ ہے اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمۡ الخ' یعنی کیا ان کا گمان ہے کہ مال و اولاد کا بڑھنا ان کے لئے ہماری جانب سے کسی بھلائی کی بنا پر ہے؟ نہیں بلکہ یہ بے شعور ہیں اور جگہ فرمایا فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُکِّرُوۡا بِہٖ جب یہ ہمارے وعظ و پند کو بھلا چکے تو ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ انہیں جو دیا گیا تھا اس پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں ناگہانی پکڑ لیا اور ان کی امیدیں منقطع ہوگئیں- یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے میں کہ انہیں ڈھیل دوں گا' بڑھاؤں گا اور اونچا کروں گا- یہ میرا داؤ ہے اور میری تدبیر میرے مخالفوں اور میرے نافرمانوں کے ساتھ بہت بڑی ہے-

بخاری مسلم میں ہے حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وَ کَذٰلِکَ اَخۡذُ رَبِّکَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰی وَ ہِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخۡذَہٗۤ اَلِیۡمٌ شَدِیۡدٌ یعنی اسی طرح ہے تیرے رب کی پکڑ جبکہ وہ کسی بستی والوں کو پکڑتا ہے جو ظالم ہوتے ہیں اس کی پکڑ بڑی دردناک اور بہت سخت ہے- پھر فرمایا تو کچھ ان سے اجرت اور بدلہ تو مانگتا ہی نہیں جوان پر بھاری پڑتا ہو' جس تاوان سے یہ جھکے جاتے ہوں نہ ان کے پاس کوئی علم غیب ہے جسے یہ لکھ رہے ہوں- ان دونوں جملوں کی تفسیر سورۂ والطور میں گزر چکی ہے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! آپ انہیں اللہ عزوجل کی طرف بغیر اجرت اور بغیر مال طلبی کے اور بغیر بدلے کی چاہت کے بلا رہے ہیں' آپ کی غرض سوائے ثواب حاصل کرنے کے اور کوئی نہیں اس پر بھی یہ لوگ صرف اپنی جہالت اور کفر اور سرکشی کی وجہ سے آپ کو جھٹلا رہے ہیں-

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادٰى
وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَآ أَنْ تَدٰرَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ
بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهُ مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۵۰﴾
وَإِنْ يَّكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا
ع الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهٗ لَمَجْنُونٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ ﴿۵۲﴾

پس تو اپنے رب کے حکم کا انتظار کر اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جبکہ اس نے غمگینی کی حالت میں دعا کی O اگر اسے اس کے رب کا احسان نہ پا لیتا تو یقیناً وہ برے حالوں بنجر زمین میں ڈال دیا جاتا O اسے اس کے رب نے پھر نواز اور اسے نیک کاروں میں کر دیا O یقیناً ان منکروں کی چاہت ہے کہ اپنی تیز نگاہوں سے تجھے پھسلا دیں یہ جب کبھی قرآن سنتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صرف دیوانہ ہے O درحقیقت یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لئے سراسر نصیحت ہی ہے O

مصائب سے نجات دلانے والی دعا۔ نظر' فال اور شگون: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! اپنی قوم کی ایذا پر اور ان کے جھٹلانے پر صبر و سہار کرو' عنقریب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہونے والا ہے' انجام کار آپ کا اور آپ کے ماتحتوں کا ہی غلبہ ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دیکھو تم مچھلی والے نبی کی طرح نہ ہونا' اس سے مراد حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جبکہ وہ اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر نکل کھڑے ہوئے پھر جو ہوا سو ہوا یعنی آپ کا جہاز میں سوار ہونا' مچھلی کا آپ کو نگل جانا اور سمندر کی تہ میں بیٹھ جانا اور اس تہ بہ تہ اندھیریوں میں اس قدر نیچے آپ کا سمندر کو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے سننا اور خود آپ کا بھی پکارنا اور لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ پڑھنا پھر آپ کی دعا کا قبول ہونا' اس غم سے نجات پانا وغیرہ۔ جس واقعہ کا مفصل بیان پہلے گزر چکا ہے۔ جس کے بیان کے بعد اللہ سبحان وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اسی طرح ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں اور فرماتا ہے کہ اگر وہ تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں پڑے رہتے۔ یہاں بھی فرمان ہے کہ جب اس نے غم اور دکھ کی حالت میں ہمیں پکارا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یونس علیہ السلام کی زبان سے نکلتے ہی یہ کلمہ عرش پر پہنچا' فرشتوں نے کہا خدایا! اس کمزور غیر معروف شخص کی آواز تو ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پہلے کی سنی ہوئی ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اسے پہچانا نہیں؟ فرشتوں نے عرض کیا نہیں۔ جناب باری نے فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ فرشتوں نے کہا پروردگار پھر تو تیرا یہ بندہ وہ ہے جس کے اعمال صالحہ ہر روز آسمانوں پر چڑھتے رہے' جس کی دعائیں ہر وقت قبولیت کا درجہ پاتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سچ ہے۔ فرشتوں نے کہا پھر اے ارحم الراحمین! ان کی آسانیوں کے وقت کے نیک اعمال کی بنا پر انہیں اس سختی سے نجات عطا فرما۔ چنانچہ ارشاد باری ہوا کہ اے مچھلی! تو انہیں اگل دے اور مچھلی نے انہیں کنارے پر آ کر اگل دیا۔ یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر برگزیدہ بنا لیا اور نیکوکاروں میں کر دیا۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کسی کو لائق نہیں کہ وہ اپنے تئیں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے افضل بتائے۔ صحیحین میں بھی یہ حدیث ہے۔ اگلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تیرے بغض و حسد کی وجہ سے یہ کفار تو اپنی آنکھوں سے گھور گھور کر تجھے پھسلا دینا چاہتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حمایت اور بچاؤ نہ ہوتا تو یقیناً یہ تو ایسا کر گزرتے۔ اس آیت میں دلیل ہے اس امر پر کہ نظر کا لگنا اور اس کی تاثیر کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہونا حق ہے جیسا کہ بہت سی

حدیثوں میں بھی ہے جو کئی کئی سندوں سے مروی ہیں۔ ابوداؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دم جھاڑ اصرف نظر کا اور زہریلے جانوروں کا اور نہ تھمنے والے خون کا ہے بعض سندوں میں نظر کا لفظ نہیں۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے اور صحیح مسلم شریف میں بھی ایک قصہ کے ساتھ موقوفاً مروی ہے اور بخاری شریف میں اور ترمذی میں بھی ہے۔ ایک غریب حدیث میں ہے کہ نظر میں کچھ بھی حق نہیں سب سے سچا شگون فال ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے غریب کہتے ہیں اور روایت میں ہے کہ کوئی ڈر خوف الو اور نظر میں نہیں اور نیک فالی سب سے زیادہ سچا فال ہے اور روایت میں ہے کہ نظر حق ہے نظر حق ہے وہ بلندی والے کو بھی اتار دیتی ہے (مسند احمد)

نظر لگنا حق ہے: صحیح مسلم میں ہے نظر حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر کر جاتی۔ جب تم سے غسل کرایا جائے تو غسل کر لیا کرو۔ عبدالرزاق میں ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین کو ان الفاظ کے ساتھ پناہ میں دیتے اُعِیذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ یعنی تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے بھرپور کلمات کی پناہ میں سونپتا ہوں ہر شیطان سے اور ہر ایک زہریلے جانور سے اور ہر ایک لگ جانے والی نظر سے اور فرماتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو انہی الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیا کرتے تھے۔ یہ حدیث سنن میں اور بخاری شریف میں بھی ہے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ سہل بن حنیف غسل کر رہے تھے عامر بن ربیعہ کہنے لگے میں نے تو آج تک ایسا پنڈا کسی پردہ نشین کا بھی نہیں دیکھا۔ بس ذرا سی دیر میں وہ بیہوش ہو کر گر پڑے لوگوں نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ! ان کی خبر لیجئے یہ تو بیہوش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کسی پر تمہارا شک بھی ہے لوگوں نے کہا ہاں عامر بن ربیعہ پر آپ نے فرمایا تم میں سے کیوں کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے کہ اسے بہت اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ اس کے لئے برکت کی دعا کرے پھر پانی منگوا کر عامر سے فرمایا تم وضو کرو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ اور گھٹنے اور تہمد کے اندر کا حصہ جسم دھو ڈالو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا برتن کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے اوندھا دو۔ نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

نظر لگنے کا دم: حضرت ابوسعید فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ جنات کی اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے جب سورۂ معوذتین نازل ہوئیں تو آپ نے انہیں لے لیا اور سب کو چھوڑ دیا (ابن ماجہ ترمذی نسائی) مسند وغیرہ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضورؐ کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے نبی صاحب! کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں تو جبرئیل نے کہا بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ وَّعَیْنٍ وَّاللّٰہُ یَشْفِیْکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ بعض روایات میں کچھ الفاظ کا ہیر پھیر بھی ہے۔ بخاری مسلم کی حدیث میں ہے کہ یقیناً نظر کا لگ جانا برحق ہے۔ مسند کی ایک حدیث میں اس کے بعد یوں بھی ہے کہ اس کا سبب شیطان ہے اور ابن آدم کا حسد ہے۔ مسند کی اور روایت میں ہے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا جاتا ہے کیا تم نے حضور سے سنا ہے کہ شگون تین چیزوں میں ہے گھر گھوڑا اور عورت؟ تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا پھر تو میں رسول اللہ ﷺ پر وہ کہوں گا جو آپ نے نہیں فرمایا ہاں میں نے حضورؐ سے یہ تو سنا ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے سچا شگون نیک فالی ہے اور نظر کا لگنا حق ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا یا رسول اللہ حضرت جعفر کے بچوں کو نظر لگ جایا کرتی ہے تو کیا میں کچھ دم کرا لیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر جانے والی ہوتی تو وہ نظر تھی۔ حضرت عائشہؓ کو بھی حضور کا نظر بد سے دم کرنے کا حکم مروی ہے (ابن ماجہ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو حکم کیا جاتا تھا کہ وہ وضو کرے اور جس کو نظر لگی ہے اسے اس پانی سے غسل کرایا

جاتا تھا اور حدیث میں ہے نہیں ہے تو اور نظر حق ہے اور سب سے سچا شگون فال ہے ۔ مسند احمد میں بھی حضرت سہل اور حضرت عامر والا قصہ جو اوپر بیان ہوا قدرے بسط کے ساتھ مروی ہے ۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ دونوں بزرگ غسل کے ارادے سے چلے اور حضرت عامر پانی میں غسل کے لئے اترے اور ان کا بدن دیکھ کر حضرت سہل کی نظر لگ گئی اور وہ وہیں پانی میں خرخراہٹ کرنے لگے میں نے تین مرتبہ آوازیں دیں لیکن جواب نہ ملا میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ سنایا آپ خود تشریف لائے اور تھوڑے سے پانی میں کچھ کچھ کرتے ہوئے تہمد اونچا اٹھائے ہوئے وہاں تک پہنچے اور ان کے سینے میں ہاتھ مارا اور دعا کی اللھم اصرف عنه حرها و بردها و وصبها اے اللہ تو اس سے اس کی گرمی اور سردی اور تکلیف دور کر دے ۔

مسند بزار میں ہے کہ میری امت کی قضاوقدر کے بعد اکثر موت نظر سے ہوگی ۔ فرماتے ہیں نظر حق ہے انسان کو قبر تک پہنچا دیتی اور اونٹ کو ہنڈیا تک میری امت کی اکثر ہلاکی اسی میں ہے ۔ ایک اور صحیح سند سے بھی یہ روایت مروی ہے فرمان رسالت ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی اور نہ الو کی وجہ سے بربادی کا یقین کر لینا کوئی واقعیت رکھتا ہے اور نہ حسد کوئی چیز ہے ہاں نظر سچ ہے ابن عساکر میں ہے کہ جبرئیل حضور کے پاس آئے آپ اس وقت غمزدہ تھے جب پوچھا تو فرمایا حسن اور حسین کو نظر لگ گئی ہے فرمایا یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے آپ نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں کیوں نہ دیا؟ حضور نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ فرمایا یوں کہو اَللّٰھُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِیْمِ ذَا الْمَنِّ الْقَدِیْمِ ذَالْوَجْهِ الْکَرِیْمِ وَلِیَّ الْکَلِمَاتِ التَّآمَّاتِ وَالدَّعْوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ عَافِ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ مِنْ اَنْفُسِ الْجِنِّ وَاَعْیُنِ الْاِنْسِ یعنی اے اللہ اے بہت بڑی بادشاہی والے اے زبردست قدیم احسانوں والے اے بزرگ تر چہرے والے اے پورے کلموں والے اور اے دعاؤں کو قبولیت کا درجہ دینے والے تو حسن اور حسین کو تمام جنات کی ہواؤں سے اور تمام انسان کی آنکھوں سے اپنی پناہ دے ۔ حضور نے یہ دعا پڑھی وہیں دونوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا لوگو اپنی جانوں کو اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو اسی پناہ کے ساتھ پناہ دیا کرو اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں ۔ پھر فرماتا ہے کہ جہاں یہ کافر اپنی حقارت بھری نظریں آپ پر ڈالتے ہیں وہاں اپنی طعنہ آمیز زبان بھی آپ پر کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو قرآن لانے میں مجنون ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے قرآن تو خدا کی طرف سے تمام عالم کے لئے نصیحت نامہ ہے ۔

الحمدللہ سورۂ نون کی تفسیر ختم ہوئی ۔

تفسیر سورة الحاقة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَاۗقَّةُ ۝۱ مَا الْحَاۗقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۗقَّةُ ۝۳ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵

اللہ تعالیٰ بخشش اور مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع

سچ مچ آنے والی ○ کیا ہے حقیقتاً قائم ہونے والی؟ ○ اور تجھے کیا معلوم کہ وہ ثابت شدہ کیا ہے؟ ○ اس کھڑکا دینے والی کو ثمودیوں اور عادیوں نے جھٹلایا تھا ○ جس کے نتیجہ میں ثمودی تو بے حد خوفناک اور اونچی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے ○

عاد وثمود کی تباہی: ☆☆ (آیت:۱-۵) حَاقَّہ قیامت کا ایک نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ وعدے وعید کی حقانیت اور حقیقت کا دن وہی ہے اسی لئے اس دن کی ہولناکی بیان کرتے ہوئے فرمایا تم اس حاقہ کی صحیح کیفیت سے بے خبر ہو۔ پھر ان لوگوں کا بیان فرمایا جن لوگوں نے اسے جھٹلایا تھا اور پھر خمیازہ اٹھایا تھا تو فرمایا ثمودیوں کو دیکھو ایک طرف سے فرشتے کے دھاڑنے کی کلیجوں کو پاش پاش کر دینے والی آواز آتی ہے دوسری جانب سے زمین میں غضبناکی کا بھونچال آتا ہے اور سب تہ و بالا ہو جاتے ہیں پس بقول حضرت قتادہؒ طَاغِيَه کے معنی ہیں چنگھاڑ کے اور مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد گناہ ہیں یعنی وہ اپنے گناہوں کے باعث برباد کر دیئے گئے۔ ربیع بن انس اور ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کی سرکشی ہے۔ ابن زید نے اس کی شہادت میں یہ آیت پڑھی كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا یعنی ثمودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا یعنی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور عادی ٹھنڈی ہواؤں کے تیز جھونکوں سے جنہوں نے ان کے دل چھید دیئے تہس نہس کر دیئے گئے۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝

اور عادی بے حد تیز و تند ہوا سے غارت کر دیئے گئے ○ جو ان پر برابر لگاتار سات رات اور آٹھ دن تک بحکم الٰہی چلتی رہی پس تو دیکھے گا کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح بچھڑ گئے ○ جیسے کہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں ○ کیا ان میں سے کوئی بھی تجھے باقی نظر آ رہا ہے؟ ○ فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں اور جن کی بستیاں الٹ دی گئیں انہوں نے بھی خطائیں کیں ○ اور اپنے رب کے رسولوں کی نافرمانی کی بالآخر اللہ نے انہیں بھی زبردست گرفت میں لے لیا ○ جب پانی حد سے گزر گیا اس وقت ہم نے تمہیں چلتی کشتی میں چڑھا لیا ○ تاکہ اسے تمہارے لئے نصیحت اور یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھ لیں ○

(آیت:۶-۱۲) یہ آندھیاں جو خیر و برکت سے خالی تھیں اور فرشتوں کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھیں برابر پے در پے لگاتار سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہیں ان دنوں میں ان کے لئے سوائے نحوست و بربادی کے اور کوئی بھلائی نہ تھی جیسے اور جگہ ہے فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ۔ حضرت ربیع فرماتے ہیں جمعہ کے دن سے یہ شروع ہوئی تھیں بعض کہتے ہیں بدھ سے۔ ان ہواؤں کو عرب اعجاز اس لئے بھی کہتے ہیں کہ قرآن نے فرمایا ہے ان عادیوں کی حالتیں اعجاز یعنی کھجوروں کے کھوکھلے تنوں جیسی ہو گئیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عموماً یہ ہوائیں جاڑوں کے آخر میں چلا کرتی ہیں اور عجز کہتے ہیں آخر کو اور یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ عادیوں کی ایک بڑھیا ایک غار میں گھس گئی تھی جو ان ہواؤں سے آٹھویں روز وہیں تباہ ہو گئی اور بڑھیا کو عربی میں عجوز کہتے ہیں واللہ اعلم۔

خاویہ کے معنی ہیں خراب' سڑا' گلا' کھوکھلا' مطلب یہ ہے کہ ہواؤں نے انہیں اٹھا اٹھا کر الٹا پٹخا' ان کے سر پھٹ گئے' سروں کا تو چورا چورا ہو گیا اور باقی جسم ایسا رہ گیا جیسے کھجور کے درخت کا سرا پتوں والا کاٹ کر صرف تنا رہنے دیا ہو۔ بخاری مسلم کی حدیث میں ہے رسول

اللہ ﷺ فرماتے ہیں میری مدد کی گئی صبا کے ساتھ یعنی پروا ہوا کے ساتھ اور عادی ہلاک کئے گئے دبور سے یعنی مغربی ہوا سے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں عادیوں کو ہلاک کرنے کے لئے ہواؤں کے خزانے میں سے صرف انگوٹھی کے برابر جگہ کشادہ کی گئی تھی جس سے ہوائیں نکلیں اور پہلے وہ گاؤں اور دیہات والوں پر آئیں ان تمام مردوں عورتوں کو چھوٹے بڑوں کو ان کے مالوں اور جانوروں سمیت لے کر آسمان وزمین کے درمیان معلق کر دیا' شہریوں کو بوجہ بہت بلندی اور کافی اونچائی کے یہ معلوم ہونے لگا کہ یہ سیاہ رنگ بادل چڑھا ہوا ہے۔ خوش ہونے لگے کہ گرمی کے باعث جو ہماری بری حالت ہو رہی ہے اب پانی برس جائے گا۔ اتنے میں ہواؤں کو حکم ہوا اور اس نے ان تمام کو ان شہریوں پر پھینک دیا یہ اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس ہوا کے پر اور دم تھی۔ پھر فرماتا ہے بتلاؤ کہ ان میں سے یا ان کی نسل میں سے ایک کو بھی تم دیکھ رہے ہو؟ یعنی سب کے سب تباہ و برباد کر دیئے گئے' کوئی نام لیوا پانی دینے والا بھی باقی نہ رہا۔

پھر فرمایا فرعون اور اس سے اگلے خطاکار اور رسول کے نافرمان کا یہی انجام ہوا' قَبْلَهٗ کی دوسری قرأت قِبَلَهٗ بھی ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ فرعون اور اس کے پاس اور ساتھ کے لوگ یعنی فرعونی قبطی کفار۔ مُؤْتَفِكَات سے مراد بھی پیغمبروں کی جھٹلانے والی اگلی امتیں ہیں خَاطِئَة سے مطلب معصیت اور خطائیں ہیں' پس فرمایا ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے زمانے کے رسول کی تکذیب کی' جیسے اور جگہ ہے اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ یعنی ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی اور ان پر عذاب آ پہنچے اور یہ بھی یاد رہے کہ ایک پیغمبر کا انکار گویا تمام انبیاء کا انکار ہے' جیسے قرآن نے فرمایا كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ اور فرمایا كَذَّبَتْ عَادُ نِالْمُرْسَلِيْنَ اور فرمایا كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی قوم نوح نے' عادیوں نے' ثمودیوں نے رسولوں کو جھٹلایا حالانکہ سب کے پاس یعنی ہر ہر امت کے پاس ایک ہی رسول آیا تھا۔ یہی مطلب یہاں بھی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامبر کی نافرمانی کی پس اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت تر مہلک بڑی دردناک المناک پکڑ میں پکڑ لیا۔

طوفان نوحؑ: ☆☆ ازاں بعد اپنا احسان جتاتا ہے کہ دیکھو جب نوحؑ کی دعا کی وجہ سے زمین پر طوفان آیا اور پانی حد سے گزر گیا' چوطرف ریل پیل ہو گئی' نجات کی کوئی جگہ نہ رہی' اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھا لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب قوم نوح نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور ان کی مخالفت اور ایذا رسانی شروع کی' اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے' اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آ کر ان کی ہلاکی کی دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا اور مشہور طوفان نوح نازل فرمایا جس سے سوائے ان لوگوں کے جو حضرت نوح کی کشتی میں تھے روئے زمین پر کوئی نہ بچا۔ پس سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل اور آپ کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پانی کا ایک ایک قطرہ باجازت خدا پانی کے داروغہ فرشتے کے ناپ تول سے برسا ہے' اسی طرح ہوا کا ہلکا سا جھونکا بھی بے ناپے تولے نہیں چلتا لیکن ہاں عادیوں پر جو ہوائیں چلیں اور قوم نوح پر جو طوفان آیا وہ تو بے حد اور بے شمار اور بغیر ناپ تول کے تھا' اللہ کی اجازت سے پانی اور ہوا نے وہ زور باندھا کہ نگہبان فرشتوں کی کچھ نہ چلی۔ اسی لئے قرآن میں طَغَى الْمَآءُ اور بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ کے الفاظ ہیں۔ اسی لئے اس اہم احسان کو اللہ تعالیٰ یاد دلا رہا ہے کہ ایسے پرخطر موقع پر ہم نے تمہیں چلتی کشتی پر سوار کرا دیا تاکہ یہ کشتی تمہارے لئے نمونہ بن جائے چنانچہ آج بھی ویسی ہی کشتیوں پر سوار ہو کر سمندر کے لمبے چوڑے سفر طے کر رہے ہو۔ جیسے اور جگہ ہے وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ یعنی تمہاری سواری کے لئے کشتیاں اور چوپائے جانور بنائے تاکہ تم ان پر سواری کرو۔ ایک اور سوار ہو کر اپنے رب کی نعمت یاد کرو' اور جگہ فرمایا وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا الخ یعنی ان کے لئے ایک نشان قدرت یہ بھی ہے کہ

ہم نے ان کی نسل کو بھری کشتی میں چڑھالیا اور بھی ہم نے اس جیسی ان کی سواریاں پیدا کر دیں - حضرت قتادہؒ نے اوپر کی اس آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ وہی کشتی نوح باقی رہی یہاں تک کہ اس امت کے اگلوں نے بھی اسے دیکھا لیکن زیادہ ظاہر مطلب پہلا ہی ہے- پھر فرمایا یہ اس لئے بھی کہ یاد رکھنے اور سننے والا کان اسے یاد کر لے اور محفوظ رکھ لے اور اس نعمت کو نہ بھولے یعنی صحیح سمجھ اور سچی سماعت والے عقل سلیم اور فہم مستقیم رکھنے والے جو اللہ تعالیٰ کی باتوں اور اس کی نعمتوں سے بے پرواہی اور لا ابالی نہیں برتتے' ان کی پند و نصیحت کا ایک ذریعہ یہ بھی بن گیا - ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں جب یہ الفاظ اترے تو حضورؐ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی بنا دے - چنانچہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز سن کر پھر میں نے فراموش نہیں کی - یہ روایت ابن جریر میں بھی ہے لیکن مرسل ہے - ابن ابی حاتم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں تجھے نزدیک کروں' دور نہ کروں اور تجھے تعلیم دوں اور تو بھی یاد رکھے اور یہی تجھے بھی چاہیے' اس پر یہ آیت اتری - یہ روایت دوسری سند سے بھی ابن جریر میں مروی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں -

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

پس جبکہ صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی ○ اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ○ اس دن ہو پڑنے والی (قیامت) ہو پڑے گی ○ اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن بالکل کمزور ہو جائے گا ○ اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ○ اس دن تم سب سامنے پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا ○

آواز کا بم صور اسرافیل: ☆☆ (آیت:۱۳-۱۸) قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہو رہا ہے جس میں سب سے پہلے گھبراہٹ پیدا کرنے والی چیز صور کا پھونکا جانا ہوگا جس سے سب کے دل دہل جائیں گے پھر نفخہ پھونکا جائے گا جس سے تمام زمین و آسمان کی مخلوق بے ہوش ہو جائے گی مگر جسے اللہ چاہے پھر صور پھونکا جائے گا جس کی آواز سے تمام مخلوق اپنے رب کے سامنے کھڑی ہو جائے گی یہاں اسی پہلے نفخہ کا بیان ہے - یہاں بطور تاکید کے یہ بھی فرما دیا کہ یہ اٹھ کھڑے ہونے کا نفخہ ایک ہی ہے اس لئے کہ جب خدا کا حکم ہو گیا پھر نہ تو اس کا خلاف ہو سکتا ہے نہ وہ ٹل سکتا ہے نہ دوبارہ فرمان کی ضرورت ہے اور نہ تاکید کی - امام ربیع فرماتے ہیں اس سے مراد آخری نفخہ ہے لیکن ظاہر قول وہی ہے جو ہم نے کہا - اسی لئے یہاں اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ زمین و آسمان اٹھا لئے جائیں گے اور کھال کی طرح پھیلا دیئے جائیں گے اور زمین بدل دی جائے گی اور قیامت واقع ہو جائے گی - حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آسمان ہر کھلنے کی جگہ سے پھٹ جائے گا جیسے سورۂ نبا میں ہے وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا یعنی آسمان کھول دیا جائے گا اور دروازے دروازے ہو جائیں گے - ابن عباسؓ فرماتے ہیں آسمان میں سوراخ اور غار پڑ جائیں گے اور شق ہو جائے گا' عرش اس کے سامنے ہوگا' فرشتے اس کے کناروں پر

ہوں گے جو کنارے اب تک ٹوٹے نہ ہوں گے اور دروازوں پر ہوں گے آسمان کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہوں گے اور زمین والوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔

اللہ کا عرش اٹھانے والے فرشتے: ☆☆ پھر فرمایا قیامت والے دن آٹھ فرشتے اللہ تعالیٰ کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے پس یا تو مراد عرش عظیم کا اٹھانا ہے یا اس عرش کا اٹھانا مراد ہے جس پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلوں کے لئے ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا ایک سو سال کا راستہ ہے۔ ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں عرش کے اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک کی نسبت خبر دوں کہ اس کی گردن اور کان کے نیچے کی لو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ اڑنے والا پرند سات سو سال تک اڑتا چلا جائے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اسے امام ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فرمایا حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں اس سے مراد فرشتوں کی آٹھ صفیں ہیں اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہ مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اعلیٰ فرشتوں کے آٹھ حصے ہیں جن میں سے ہر ایک حصہ کی گنتی تمام انسانوں، جنوں اور سب فرشتوں کے برابر ہے۔ پھر فرمایا قیامت کے روز تم اس خدا کے سامنے کئے جاؤ گے جو پوشیدگی کو اور ظاہر کو بخوبی جانتا ہے، جس طرح کھلی سے کھلی چیز کا وہ عالم ہے اسی طرح چھپی سے چھپی چیز کو بھی وہ جانتا ہے، اسی لئے فرمایا تمہارا کوئی بھید اس روز چھپ نہ سکے گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے لوگو! اپنی جانوں کا حساب کر لو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا آپ اندازہ کر لو اس سے پہلے کہ ان اعمال کا وزن کیا جائے تا کہ کل قیامت والے دن تم پر آسانی ہو جس دن کو تمہارا پورا پورا حساب لیا جائے گا اور بڑی پیشی میں خود اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے تم پیش کر دیئے جاؤ گے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن لوگ تین مرتبہ اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے پہلی اور دوسری بار تو عذر معذرت اور جھگڑا ٹنٹا کرتے رہیں گے لیکن تیسری پیشی جو آخری ہوگی اس وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے، کسی کے دائیں ہاتھ میں آئے گا اور کسی کے بائیں ہاتھ میں۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے حضرت عبداللہ کے قول سے بھی یہی روایت ابن جریر میں مروی ہے اور حضرت قتادہؒ سے بھی اسی جیسی روایت مرسل مروی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿۲۱﴾ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ﴿۲۴﴾

سو جسے اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تو کہنے لگے گا لو میرا نامہ اعمال پڑھو ○ مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنے حساب سے ملنا ہے ○ پس وہ ایک من مانی زندگی میں ہوگا ○ بلند و بالا جنت میں ○ جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے ○ (ان سے کہا جائے گا) کہ کھاؤ پیو سہتا پچتا اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گذشتہ زمانہ میں کئے ○

دائیں ہاتھ اور نامہ اعمال: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۴) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ جو خوش نصیب لوگ قیامت کے دن اپنا نامہ اعمال

اپنے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ سعادت مند حضرات بے حد خوش ہوں گے اور جوش مسرت میں بے ساختہ ہر ایک سے کہتے پھریں گے کہ میرا نامہ اعمال تو پڑھو اور یہ اس لئے کہ جو گناہ بمقتضائے بشریت ان سے ہو گئے وہ بھی ان کی توبہ سے نامہ اعمال میں سے مٹا دیئے گئے ہیں اور نہ صرف مٹا دیئے گئے ہیں بلکہ ان کے بجائے نیکیاں لکھ دی گئی ہیں۔ پس یہ سراسر نیکیوں کا نامہ اعمال ایک ایک کو پورے سرور اور سچی خوشی سے دکھاتے پھرتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں ھا کے بعد لفظ ؤم زیادہ ہے لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ ھَاؤُمُ معنی میں ھا کُم کے ہے۔ حضرت ابوعثمان فرماتے ہیں کہ چپکے سے حجاب میں مومن کو اس کا نامہ اعمال دیا جاتا ہے جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوتے ہیں یہ اسے پڑھتا ہے اور ہر ہر گناہ پر اس کے ہوش اڑ اڑ جاتے ہیں چہرے کی رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے۔ اتنے میں اب اس کی نگاہ اپنی نیکیوں پر پڑتی ہے جب انہیں پڑھنے لگتا ہے تب ذرا چین پڑتا ہے۔ ہوش وحواس درست ہوتے ہیں اور چہرہ کھل جاتا ہے پھر نظریں جما کر پڑھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی برائیاں بھی بھلائیوں سے بدل دی گئی ہیں ہر برائی کی جگہ بھلائی لکھی ہوئی ہے اب تو اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور خوشی خوشی نکل کھڑا ہوتا ہے اور جو ملتا ہے اس سے کہتا ہے ذرا میرا نامہ اعمال تو پڑھنا۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں فرشتوں نے ان کی شہادت کے بعد غسل دیا تھا' ان کے لڑکے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قیامت والے دن اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کی برائیاں اس کے نامہ اعمال کی پشت پر لکھی ہوئی ہوں گی جو اس پر ظاہر کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ بتا کیا تو نے یہ اعمال کئے ہیں؟ وہ اقرار کرے گا کہ ہاں بے شک خدایا! یہ برائیاں مجھ سے ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ میں نے دنیا میں بھی تجھے رسوا نہیں کیا' نہ فضیحت کیا' اب یہاں بھی میں تجھ سے درگزر کرتا ہوں اور تیرے تمام گناہوں کو معاف کرتا ہوں جب یہ اس سے فارغ ہو گا تب اپنا نامہ اعمال لے کر خوشی خوشی ایک ایک کو دکھاتا پھرے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی صحیح حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو اپنے پاس بلائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کی بابت پوچھے گا کہ فلاں گناہ کیا ہے؟ فلاں گناہ کیا ہے؟ یہ اقرار کرے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ اب ہلاک ہوا۔ اس وقت جناب باری عزاسمہ فرمائے گا اے میرے بندے! دنیا میں میں نے تیری ان برائیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا' اب آج تجھے کیا رسوا کروں' جا میں نے تجھے بخشا۔ پھر اس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے جس میں صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں لیکن کافروں اور منافقوں کے بارے میں تو گواہ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ کہا لوگو! سنو ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ داہنے ہاتھ کے نامہ اعمال والا کہتا ہے کہ مجھے تو دنیا میں ہی یقین کامل تھا کہ یہ حساب کا دن قطعاً آنے والا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ یعنی انہیں یقین تھا کہ یہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ فرمایا ان کی جزا یہ ہے کہ یہ پسندیدہ اور دل خوش کن زندگی پائیں گے اور بلند و بالا بہشت میں رہیں گے جس کے محلات اونچے اونچے ہوں گے' جس میں حوریں قبول صورت اور نیک سیرت ہوں گی' جو گھر نعمتوں کے بھرپور خزانے ہوں گے اور یہ تمام نعمتیں نہ ٹلنے والی نہ ختم ہونے والی بلکہ کمی سے بھی محفوظ ہوں گی۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ! کیا اونچے نیچے مرتبے والے جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقاتیں بھی کریں گے آپ نے فرمایا ہاں بلند مرتبہ لوگ کم مرتبہ لوگوں کے پاس ملاقات کے لئے اتر آئیں گے اور خوب محبت و اخلاص سے سلام مصافحے اور آؤ بھگت ہو گی ہاں البتہ نیچے والے بہ سبب اپنے اعمال کی کمی کے اوپر نہ چڑھیں گے۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے جنت میں ایک سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں۔ پھر فرماتا ہے اس کے پھل نیچے نیچے ہوں گے۔ حضرت براء بن عازب وغیرہ فرماتے ہیں اس قدر جھکے ہوئے ہوں گے کہ جنتی اپنے چھپرکھٹ پر لیٹے ہی لیٹے ان میووں کو توڑ لیا کریں

گے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر ہر جنتی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لکھا ہوا پروانہ ملے گا جس میں لکھا ہوا ہوگا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ لِفُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ اُدْخِلُوْهُ جَنَّتَهٗ عَالِيَتَه قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ یعنی اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع یہ پروانہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں شخص کے لئے جو فلاں کا بیٹا ہے اسے بلند و بالا جھکی ہوئی شاخوں اور لدے پھدے ہوئے خوشوں والی خوشگوار جنت میں جانے دو (طبرانی)

بعض روایتوں میں ہے یہ پروانہ پل صراط پر حوالے کر دیا جائے گا- پھر فرمایا انہیں بطور احسان اور مزید لطف و کرم کے زبانی بھی کھانے پینے کی رخصت مرحمت ہوگی اور کہا جائے گا کہ یہ تمہاری نیک اعمالیوں کا بدلہ ہے- اعمال کا بدلہ کہنا صرف بطور لطف کے ہے ورنہ صحیح حدیث میں ہے حضور فرماتے ہیں عمل کرتے جاؤ سیدھے اور قریب قریب رہو اور جان رکھو کہ صرف اعمال جنت میں لے جانے کے لئے کافی نہیں لوگوں نے کہا حضورؐ! آپ کے اعمال بھی نہیں فرمایا نہ میرے ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت شامل حال ہو-

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾

لیکن جسے اس کے اعمال کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی- وہ تو کہے گا کاش کہ مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی ○ اور میں اپنے حساب کی کیفیت جانتا ہی نہیں ○ کاش کہ موت میرا کام ہی تمام کر دیتی ○ میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا ○ میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا ○ (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنا دو ○ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو ○ پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز کی ہے جکڑ دو ○ بیشک یہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان نہ رکھتا تھا ○

بائیں ہاتھ اور نامہ اعمال: ☆☆ (آیت: ۲۵) یہاں گنہگاروں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب میدان قیامت میں انہیں ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یہ نہایت ہی پریشان اور پشیمان ہوں گے اور حسرت وافسوس سے کہیں گے کاش کہ ہمیں اعمال نامہ ملتا ہی نہیں اور کاش کہ ہم اپنے حساب کی اس کیفیت سے آگاہ ہی نہ ہوتے۔ کاش کہ موت نے ہی ہمارا کام ختم کر دیا ہوتا اور یہ دوسری زندگی سرے سے ہمیں ملتی ہی نہیں جس موت سے دنیا میں بہت ہی گھبراتے تھے آج اس کی آرزوئیں کریں گے' یہ کہیں گے کہ ہمارے مال وجاہ نے بھی آج ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور ہماری ان چیزوں نے بھی یہ عذاب ہم سے نہ ہٹائے' تنہا ہماری ذات پر یہ وبال آپڑے' نہ کوئی مددگار ہمیں نظر آتا ہے' نہ بچاؤ کی کوئی صورت دکھائی دیتی ہے- اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے پکڑ لو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو اور اسے جہنم میں لے جاؤ اور اس میں پھینک دو- حضرت منہال بن عمرو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سنتے ہی کہ اسے پکڑو' ستر ہزار فرشتے اس کی طرف لپکیں گے جن میں سے اگر ایک فرشتہ بھی اس طرح اشارہ کرے تو ایک چھوڑ

ستر ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے - ابن ابی الدنیا میں ہے کہ چار لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور کوئی چیز باقی نہ رہے گی مگر اسے توڑ پھوڑ دیں گے' یہ کہے گا تمہیں مجھ سے تعلق؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ تجھ پر غضبناک ہے اور اس وجہ سے ہر چیز تجھ پر غصے میں ہے - حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے اس فرمان کے سرزد ہوتے ہی ستر ہزار فرشتے اس کی طرف غصے سے دوڑیں گے جن میں کا ہر ایک دوسرے پر سبقت کر کے چاہے گا کہ اسے میں طوق پہناؤں پھر اسے جہنم کی آگ میں غوطہ دینے کا حکم ہوگا پھر ان زنجیروں میں جکڑا جائے گا جن کا ایک ایک حلقہ بقول حضرت کعب احبار کے دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا -

حضرت ابن عباسؓ اور ابن جریجؒ فرماتے ہیں یہ ناپ فرشتوں کے ہاتھ کا ہے - حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے کہ یہ زنجیریں اس کے جسم میں پرو دی جائیں گی' پاخانے کے راستے سے ڈال دی جائیں گی اور منہ سے نکالی جائیں گی اور اس طرح آگ میں بھونا جائے گا جیسے سیخ میں کباب اور تیل میں ٹڈی - یہ بھی مروی ہے کہ پیچھے سے یہ زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ناک کے دونوں نتھنوں سے نکالی جائیں گی - جس سے کہ وہ پیروں کے بل کھڑا ہی نہ ہو سکے گا - مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر کوئی بڑا سا پتھر آسمان سے پھینکا جائے تو زمین پر وہ ایک رات میں آ جائے لیکن اگر اسی کو جہنمیوں کے باندھنے کی زنجیر کے سرے پر سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے تک پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں - یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں -

وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخٰطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۳۷

اور مسکین کے کھلانے پر رغبت نہ دیتا تھا ○ پس آج اس کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی اور غذا ہے ○ جسے گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا ○ پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو ○ اور ان کی جنہیں تم نہیں دیکھتے ○

(آیت: ۳۸-۳۹) پھر فرمایا کہ یہ اللہ عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا' نہ مسکین کو کھلا دینے کی کسی کو رغبت دیتا تھا یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کرتا تھا نہ مخلوق خدا کے حق ادا کر کے اسے نفع پہنچاتا تھا - اللہ کا حق تو مخلوق پر یہ ہے کہ اس کی توحید کو مانیں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے احسان وسلوک کریں اور بھلے کاموں میں آپس میں امداد پہنچاتے رہیں - اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حقوق کو عموماً ایک ساتھ بیان فرمایا ہے جیسے نماز پڑھو اور زکوۃ دو اور نبی ﷺ نے انتقال کے وقت میں ان دونوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا کہ نماز کی حفاظت کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو - پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہاں پر آج کے دن اس کا کوئی خالص دوست ایسا نہیں نہ کوئی قریبی رشتہ دار یا سفارشی ایسا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے بچا سکے اور نہ اس کے لئے کوئی غذا ہے سوائے بدترین سڑی بھسی بیکار چیز کے جس کا نام غسلین ہے' یہ جہنم کا ایک درخت ہے اور ممکن ہے کہ اسی کا دوسرا نام زقوم ہو اور غسلین کے یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ جہنمیوں کے بدن سے جو خون اور پانی بہتا ہے - وہ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی پیپ وغیرہ

ظاہر و باطن آیات الٰہی: ☆☆ (آیت: ۳۸-۳۹) اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے اپنی مخلوق میں سے اپنی ان نشانیوں کی قسم کھا رہا ہے جنہیں لوگ دیکھ رہے ہیں اور ان کی بھی جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اس بات پر کہ قرآن کریم اس کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے

بندے اور اپنے برگزیدہ رسول پر اتاری ہے۔ جسے اس نے ادائے امانت اور تبلیغ رسالت کے لئے پسند فرمالیا ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾

کہ بے شک یہ قرآن بزرگ رسول کا قول ہے ○ یہ کسی شاعر کا قول نہیں (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے ○ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے افسوس بہت کم نصیحت لے رہے ہو ○ (یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے ○

(آیت: ۴۰-۴۲) رسول کریم سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اس کی اضافت حضور کی طرف سے اس لئے کی گئی کہ اس کے مبلغ اور پہنچانے والے آپ ہی ہیں۔ اسی لیے لفظ رسول لائے کیونکہ رسول تو پیغام اپنے بھیجنے والا کا پہنچاتا ہے گو زبان اس کی ہوتی ہے لیکن کہا ہوا بھیجنے والے کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ تکویر میں اس کی نسبت اس رسول کی طرف کی گئی ہے جو فرشتوں میں سے ہیں۔ فرمان ہے اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ الخ' یعنی یہ قول اس بزرگ رسول کا ہے جو قوت والا اور مالک عرش کے پاس رہنے والا ہے۔ وہاں اس کا کہنا مانا جاتا ہے اور ہے بھی وہ امانت دار۔ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا تمہارے ساتھی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون نہیں بلکہ آپ نے حضرت جبرئیل کو ان کی اصلی صورت میں صاف کناروں پر دیکھا بھی ہے اور وہ پوشیدہ علم پر بخیل بھی نہیں نہ یہ شیطان رجیم کا قول ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ نہ تو یہ شاعر کا کلام ہے نہ کاہن کا قول ہے البتہ تمہارے ایمان میں اور نصیحت حاصل کرنے میں کمی ہے پس کبھی تو اپنے کلام کی نسبت رسول انسی کی طرف کی اور کبھی رسول ملکی کی طرف' اس لئے کہ یہ اس کے پہنچانے والے لانے والے اور اس پر امین ہیں۔ ہاں دراصل کلام کس کا ہے؟ اسے بھی ساتھ ہی ساتھ بیان فرما دیا کہ یہ اتارا ہوا رب العالمین کا ہے۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام: ☆☆ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کے پاس گیا' دیکھا کہ آپ مسجد حرم میں پہنچ گئے ہیں' میں بھی گیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا' آپ نے سورۃ الحاقہ شروع کی جسے سن کر مجھے اس کی پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا' آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں یہ شخص شاعر ہے ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں کہ یہ قول رسول کریم کا ہے شاعر کا نہیں تم میں ایمان ہی کم ہے تو میں نے کہا اچھا شاعر نہ سہی کاہن تو ضرور ہے۔ ادھر آپ کی تلاوت میں یہ آیت آئی کہ یہ کاہن کا قول بھی نہیں تم نے نصیحت ہی کم لی ہے۔ اب آپ پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کی' فرماتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا اور رونگٹے رونگٹے میں اسلام کی سچائی گھس گئی پس یہ بھی منجملہ ان اسباب کے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا باعث ہوئے ایک خاص سبب ہے ہم نے آپ کے اسلام لانے کی پوری کیفیت سیرت عمر میں لکھ دی ہے۔ واللہ الحمد و المنہ۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ

حٰجِزِيۡنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذۡكِرَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعۡلَمُ اَنَّ
مِنۡكُمۡ مُّكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسۡرَةٌ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ
الۡيَقِيۡنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۵۲﴾

اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتا ہے ○ تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ○ پھر اس کی رگ دل کاٹ دیتے ○ پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ تھا ○ یقیناً یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے ○ ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کے جھٹلانے والے ہیں ○ بیشک یہ جھٹلانا کافروں پر حسرت ہے ○ اور بے شک وشبہ یقینی حق ہے ○ پس تو اپنے بزرگ پروردگار کی پاکی بیان کیا کر ○

ہدایت اور شفا قرآن حکیم: ☆☆ (آیت: ۴۴-۵۲) یہاں فرمان باری ہے کہ جس طرح تم کہتے ہو اگر فی الواقع ہمارے یہ رسول ایسے ہی ہوتے کہ ہماری رسالت میں کچھ کمی بیشی کر ڈالتے یا ہماری نہ کہی ہوئی بات ہمارے نام سے بیان کر دیتے تو یقیناً اسی وقت ہم انہیں بدترین سزا دیتے یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے اس کا دایاں ہاتھ تھام کر اس کی وہ رگ کاٹ ڈالتے جس پر دل معلق ہے اور کوئی ہمارے اس کے درمیان بھی نہ آ سکتا کہ اسے بچانے کی کوشش کرے' پس مطلب یہ ہوا کہ حضور رسالت مآب ﷺ سچے' پاک باز' رشد و ہدایت والے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زبردست تبلیغی خدمت آپ کو سونپ رکھی ہے اور اپنی طرف سے بہت سے زبردست معجزے اور آپ کے صدق کے سب بہترین بڑی بڑی نشانیاں آپ کو عنایت فرما رکھی ہیں۔ پھر فرمایا یہ قرآن متقیوں کے لئے تذکرہ ہے' جیسے اور جگہ ہے کہ کہہ دو یہ قرآن ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان تو اندھے بہرے ہیں۔ پھر فرمایا باوجود اس صفائی اور کھلے حق کے ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسے جھوٹا بتلاتے ہیں' یہ تکذیب ان لوگوں کے لئے قیامت کے دن باعث حسرت و افسوس ہوگی یا یہ مطلب کہ یہ قرآن اور اس پر ایمان حقیقتاً کفار پر حسرت کا باعث ہوگا۔ جیسے اور جگہ ہے اسی طرح ہم اسے گنہگاروں کے دلوں میں اتارتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ ایک اور جگہ ہے وَحِيۡلَ بَيۡنَهُمۡ وَبَيۡنَ مَا يَشۡتَهُوۡنَ ان میں اور ان کی خواہش میں حجاب ڈال دیا گیا ہے۔ پھر فرمایا یہ خبر بالکل سچ حق اور بے شک وشبہ ہے پھر اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اس قرآن کے نازل کرنے والے رب عظیم کے نام کی بزرگیاں اور پاکیزگیاں بیان کرتے رہو۔ اللہ کے فضل سے سورۃ الحاقہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة المعارج

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سَاَلَ سَآئِلٌ ۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ لَيۡسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾
مِّنَ اللّٰهِ ذِى الۡمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ
اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصۡبِرۡ
صَبۡرًا جَمِيۡلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمۡ يَرَوۡنَهٗ بَعِيۡدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰٮهُ قَرِيۡبًا ﴿۷﴾

اللہ تعالیٰ بخشش ورحم کرنے والے کے نام سے شروع

ایک طلب کرنے والے نے اس عذاب کی خواہش کی جو ہونے والا ہے ○ کافروں پر جسے کوئی ہٹانے والا نہیں ○ اس اللہ کی طرف سے جو سیڑھیوں والا ہے ○ جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں۔ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے ○ پس تو بھلی طرح صبر کر ○ بیشک یہ اس عذاب کو دور سمجھ رہے ہیں ○ اور ہم اسے قریب ہی دیکھتے ہیں ○

کافروں کا عذاب الٰہی کی طلب کرنا: ☆☆ (آیت: ۱-۷) بِعَذَابٍ میں جو ''ب'' ہے وہ بتا رہی ہے کہ یہاں فعل کی تضمین ہے گویا کہ فعل مقدر ہے یعنی یہ کافر عذاب کے واقع ہونے کی طلب میں جلدی کر رہے ہیں جیسے اور جگہ ہے وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ الخ یعنی یہ عذاب مانگنے میں عجلت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا یعنی اس کا عذاب یقیناً اپنے وقت مقررہ پر آ کر ہی رہے گا۔ نسائی میں حضرت ابن عباسؓ سے وارد ہے کہ کافروں نے عذاب خدا مانگا جو ان پر یقیناً آنے والا ہے یعنی آخرت میں ان کی اس طلب کے الفاظ بھی دوسری جگہ قرآن میں منقول ہیں کہتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ یعنی خدایا! اگر یہ تیرے پاس سے حق ہے اور تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب لا۔ ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عذاب کی وادی ہے جو قیامت کے دن عذابوں سے بہ نکلے گی' لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مطلب سے بہت دور ہے۔ صحیح قول پہلا ہی ہے جس پر روش کلام کی دلالت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ عذاب کافروں کے لئے تیار ہے اور ان پر آ پڑنے والا ہے' جب آ جائے گا تو اسے دور کرنے والا نہیں اور نہ کسی میں اتنی طاقت ہے کہ اسے ہٹا سکے۔

معارج سے مراد: ذی المعارج کے معنی ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق درجوں والا یعنی بلندیوں اور بزرگیوں والا' اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مراد معارج سے آسمان کی سیڑھیاں ہیں' قتادہ کہتے ہیں فضل وکرم اور نعمت ورحم والا یعنی یہ عذاب اس اللہ کی طرف سے ہے جو ان صفتوں والا ہے' اس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں۔ روح کی تفسیر میں حضرت ابوصالحؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک قسم کی مخلوق ہے انسان تو نہیں لیکن انسانوں سے بالکل مشابہ ہے' میں کہتا ہوں ممکن ہے اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں اور یہ عطف ہو عام پر خاص کا اور ممکن ہے کہ اس سے مراد بنی آدم کی روحیں ہوں اس لئے کہ وہ بھی قبض ہونے کے بعد آسمان کی طرف چڑھتی ہیں جیسے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ والی لمبی حدیث میں ہے کہ جب فرشتے پاک روح نکالتے ہیں تو اسے لے کر ایک آسمان سے دوسرے پر چڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں گو اس کے بعض راویوں میں کلام ہے لیکن یہ حدیث مشہور ہے اور اس کی شہادت میں حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث بھی ہے جیسے کہ پہلے بروایت امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ گزر چکی ہے' جس کی سند کے راوی ایک جماعت کی شرط پر ہیں' پہلی حدیث بھی مسند احمد' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں ہے' ہم نے اس کے الفاظ اور اس کے طرق کا بسیط بیان آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی تفسیر میں کر دیا ہے۔

روز قیامت کتنا بڑا ہے: ☆☆ پھر فرمایا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے' اس میں چار قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد وہ دوری ہے جو اسفل السافلین سے عرش معلّٰی تک ہے اور اسی طرح عرش کے نیچے سے اوپر تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اور عرش معلّٰی سرخ یاقوت کا ہے جیسے کہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب 'صفتہ العرش' میں ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے حکم کی انتہا نیچے کی زمین سے آسمانوں کے اوپر تک کی پچاس ہزار سال کی ہے اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے یعنی آسمان سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں جو ایک ہزار سال کے برابر ہے اس لئے کہ آسمان وزمین کا فاصلہ پانچ سو سال کا ہے' یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت مجاہدؒ کے قول سے مروی ہے حضرت ابن عباسؓ کے قول سے نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے ابن ابی حاتم میں

روایت ہے کہ ہر زمین کی موٹائی پانچ سو سال کے فاصلہ کی ہے اور ایک زمین سے دوسری زمین تک پانچ سو سال کی دوری ہے' تو سات ہزار یہ ہو گئے اسی طرح آسمان تو چودہ ہزار سال یہ ہوئی اور ساتویں آسمان سے عرش عظیم تک چھتیس ہزار سال کا فاصلہ ہے یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کیا ہے تب سے لے کر قیامت تک کی اس کے بقا کی آخری مدت پچاس ہزار سال کی ہے' چنانچہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کل عمر پچاس ہزار سال کی ہے اور یہی ایک دن ہے جو اس آیت میں مراد لیا گیا ہے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں دنیا کی پوری مدت یہی ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ کس قدر گزر گئی اور کتنی باقی ہے بجز اللہ تبارک وتعالیٰ کے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دن وہ ہے جو دنیا اور آخرت میں فاصلے کا ہے۔ حضرت محمد بن کعبؒ یہی فرماتے ہیں لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے' حضرت ابن عباسؓ سے یہ بسند صحیح مروی ہے' حضرت عکرمہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ کافروں پر پچاس ہزار سال کا کر دے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا یہ دن تو بہت ہی بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ مومن پر اس قدر ہلکا ہو جائے گا کہ دنیا کی ایک فرض نماز کی ادائیگی میں جتنا وقت لگتا ہے اس سے بھی کم ہوگا۔ یہ حدیث ابن جریر میں بھی ہے' اس کے دو راوی ضعیف ہیں' واللہ اعلم۔

بے زکوٰۃ جانور قیامت کو وبال جان: ☆☆ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص گزرا لوگوں نے کہا حضرت یہ اپنے قبیلے میں سب سے بڑا مالدار ہے۔ آپ نے اسے بلوایا اور فرمایا کیا واقعی تم سب سے زیادہ مالدار ہو؟ اس نے کہا ہاں میرے پاس رنگ برنگ سینکڑوں اونٹ' قسم قسم کے غلام' اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے گھوڑے وغیرہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دیکھو خبردار! ایسا نہ ہو کہ یہ جانور اپنے پاؤں سے تمہیں روندیں اور اپنے سینگوں سے تمہیں ماریں۔ بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ عامری کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے کہا حضرت یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا سنو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو اپنے اونٹوں کا حق ادا نہ کرے ان کی سختی میں اور ان کی آسانی میں' اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک چٹیل لمبے چوڑے صاف میدان میں چت لٹائے گا اور ان تمام جانوروں کو خوب موٹا تازہ کر کے حکم دے گا کہ اسے روندتے ہوئے چلو چنانچہ ایک ایک کر کے اسے کچلتے ہوئے گزریں گے جب آخر والا گزر جائے گا تو اول والا لوٹ کر آ جائے گا' یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فاصلہ ہو جائے پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا۔ اسی طرح گائے گھوڑے بکری وغیرہ یہی سینگ دار جانور اپنے سینگوں سے بھی اسے مارتے جائیں گے کوئی ان میں بے سینگ کا یا ٹوٹے ہوئے سینگ والا نہ ہوگا۔ عامری نے پوچھا اے حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! فرمایئے اونٹوں میں خدا کا حق کیا ہے؟ فرمایا مسکینوں کو سواری کے لئے تحفۃً دینا' غرباء کے ساتھ سلوک کرنا' دودھ پینے کے لیے جانور دینا' ان کے نروں کی ضرورت جنہیں مادہ کے لئے ہوا نہیں مانگا ہوا بے قیمت دینا۔ یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی دوسری سند سے مذکور ہے۔

زکوٰۃ کے بغیر مال کی سزا: ☆☆ مسند کی ایک حدیث میں ہے کہ جو سونے چاندی کے خزانے والا اس کا حق ادا نہ کرے اس کا سونا چاندی تختیوں کی صورت میں بنایا جائے گا اور جہنم کی آگ میں تپا کر اس کی پیشانی' کروٹ اور پیٹھ داغی جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے کر لے اس دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی سے پچاس ہزار سال کی ہوگی پھر وہ اپنا راستہ جنت کی طرف یا جہنم کی طرف دیکھ لے گا۔ پھر آگے بکریوں اور اونٹوں کا بیان ہے جیسے اوپر گزرا اور یہ بھی بیان ہے کہ گھوڑے تین قسم کے لوگوں کے لئے ہیں۔ ایک تو اجر دلانے والے'

دوسری قسم پردہ پوشی کرنے والے' تیسری قسم کے بوجھ ڈھونے والے۔ یہ حدیث پوری پوری صحیح مسلم شریف میں بھی ہے' ان روایتوں کے پورا بیان کرنے کی اور ان کی سندوں اور الفاظ کے تمام تر نقل کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتاب الزکوٰۃ ہے' یہاں ان کے وارد کرنے سے ہماری غرض صرف ان الفاظ سے ہے کہ یہاں تک کہ اللہ اپنے بندوں کے درمیان فاصلہ کرے گا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص پوچھتا ہے کہ وہ دن کیا ہے جس کی مقدار ایک ہزار سال کی ہے؟ آپ فرماتے ہیں اور وہ دن کیا ہے جو پچاس ہزار سال کا ہے؟ اس نے کہا حضرت میں تو خود دریافت کرنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا سنو! یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے' اللہ تعالیٰ ہی کو ان کی حقیقت کا بخوبی علم ہے میں تو باوجود نہ جاننے کے کتاب اللہ میں کچھ کہنا مکروہ جانتا ہوں۔ پھر فرماتا ہے اے نبی! تم اپنی قوم کو جھٹلانے پر اور عذاب کے مانگنے کی جلدی پر جسے وہ اپنے نزدیک نہ آنے والا جانتے ہیں' صبر وسہار کرو۔ جیسے اور جگہ ہے يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا الخ' یعنی بے ایمان تو قیامت کے دن جلد آنے کی تمنائیں کرتے ہیں اور ایمان دار اس کے آنے کو حق جان کر اس سے ڈر رہے ہیں۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ یہ تو اسے دور جان رہے ہیں بلکہ محال اور واقع نہ ہونے والا مانتے ہیں لیکن ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں یعنی مومن تو اس کا آنا حق جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب آیا ہی چاہتا ہے نہ جانیں کب قیامت قائم ہو جائے اور کب عذاب آ پڑیں کیونکہ اس کے صحیح وقت کو تو بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی جانتا ہی نہیں پس ہر وہ چیز جس کو آنے اور ہونے میں کوئی شک نہ ہو اس کا آنا قریب ہی سمجھا جاتا ہے اور اس کے ہو پڑنے کا ہر وقت کھٹکا ہی رہتا ہے۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾
وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿۱۰﴾ يُبَصَّرُونَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ
يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿۱۲﴾
وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا
ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ﴿۱۶﴾ تَدْعُوا
مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿۱۸﴾

جس دن آسمان مثل تیل کی تلچھٹ کے ہو جائے گا ○ اور پہاڑ مثل رنگین اون کے ہو جائیں گے ○ اور کوئی دوست کسی کو نہ پوچھے گا ○ حالانکہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے' گنہگار آج کے دن کے عذاب کے بدلے فدیے میں اپنے بیٹوں ○ اور اپنی بیویوں کو اور اپنے بھائی کو ○ اور اپنے قبیلے کو جو اسے جگہ دیتا تھا ○ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا کہ اسے نجات مل جائے ○ مگر ہرگز یہ نہ ہوگا' یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے ○ جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے ○ ہر اس شخص کو پکارتی ہے جو پیچھے ہٹے اور منہ موڑے ○ اور جمع کر کے سنبھال رکھے ○

عذاب کے طالب عذاب دیئے جائیں گے : ☆☆ (آیت: ۸-۱۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس عذاب کو یہ طلب کر رہے ہیں وہ عذاب ان طلب کرنے والے کافروں پر اس دن آئے گا جس دن آسمان مثل مہل کے ہو جائے' یعنی زیتون کے تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے اور پہاڑ ایسے ہو جائیں جیسے دھنی ہوئی اون' یہی فرمان اور جگہ ہے وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ الخ' پھر فرماتا ہے کوئی قریبی رشتہ دار کسی اپنے قریبی رشتہ دار سے پوچھ گچھ بھی نہ کرے گا حالانکہ ایک دوسرے کو بری حالت میں دیکھ رہے ہوں گے لیکن خود ایسے

مشغول ہوں گے کہ دوسرے کا حال پوچھنے کا بھی ہوش نہیں' سب آپا دھاپی میں پڑے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک دوسرے کو دیکھے گا' پہچانے گا لیکن پھر بھاگ کھڑا ہوگا' جیسے اور جگہ ہے لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ یعنی ہر ایک ایسے مشغلے میں لگا ہوا ہوگا جو دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ہی نہ دے گا۔ ایک اور جگہ فرمان ہے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنی اولاد کے اور اولاد اپنے باپ کے کچھ کام نہ آئے گی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے گو قرابت دار ہوں لیکن کوئی کسی کا بوجھ نہ بٹائے گا۔ ایک اور جگہ فرمان ہے فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ یعنی صور پھونکتے ہی سب آپس کے رشتے ناطے اور پوچھ گچھ ختم ہو جائے گی' ایک اور جگہ فرمان ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ الخ' یعنی اس دن انسان اپنے بھائی' ماں' باپ' بیوی اور فرزند سے بھاگتا پھرے گا' ہر شخص بوجہ اپنی پریشانیوں کے دوسرے سے غافل ہوگا' یہ وہ دن ہوگا کہ اس دن ہر گنہگار یہ دل چاہے گا کہ اپنی اولاد کو اپنے فدیہ میں دے کر جہنم کے آج کے عذاب سے چھوٹ جائے اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے رشتے کنبے کو اور اپنے خاندان اور قبیلے کو بلکہ چاہے تمام روئے زمین کے لوگوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے لیکن اسے آزاد کر دیا جائے۔ آہ کیا ہی دلگداز منظر ہے کہ اپنے بھیجے کے ٹکڑوں کو' اپنی شاخوں اور اپنی جڑوں کو سب کے سب کو آج فدا کرنے پر تیار ہے تاکہ خود بچ جائے۔

فَصِيْلَه کے معنی ماں کے بھی کئے گئے ہیں غرض تمام تر محبوب ہستیوں کو اپنی طرف سے بھینٹ میں دینے پر دل سے رضامند ہوگا لیکن کوئی چیز کام نہ آئے گی' کوئی بدلہ اور فدیہ نہ کھپے گا' کوئی عوض اور معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا بلکہ اس آگ کے عذابوں میں ڈالا جائے گا جو اونچے اونچے اور تیز تیز شعلے پھینکنے والی اور سخت بھڑکنے والی ہے' جو سر کی کھال تک جھلسا کر کھینچ لاتی ہے' بدن کی کھال دور کر دیتی ہے اور کھوپڑی پلپلی کر دیتی ہے ہڈیوں سے گوشت الگ کر دیتی ہے' رگ پٹھے کھنچنے لگتے ہیں' ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگتے ہیں' پنڈلیاں کٹی جاتی ہیں' چہرہ بگڑ جاتا ہے ہر ہر عضو بدل جاتا ہے' چیخ پکار کرتا رہتا ہے ہڈیوں کا چورا کرتی رہتی ہے' کھالیں جلائے جاتی۔ یہ آگ اپنی فصیح زبان اور اونچی آواز سے اپنے والوں کو جنہوں نے دنیا میں بدکاریاں اور اللہ کی نافرمانیاں کی تھیں پکارتی ہے' پھر جس طرح پرند جانور دانہ چگتا ہے اسی میدان محشر میں سے ایسے بدلوگوں کو ایک ایک کر کے دیکھ بھال کر چن لیتی ہے' اب ان کی بداعمالیاں بیان ہو رہی ہیں کہ یہ دل سے جھٹلانے والے اور بدن سے عمل چھوڑ دینے والے تھے' یہ مال کو جمع کرنے والے اور سر بند کر کے رکھ چھوڑنے والے تھے' اللہ تعالیٰ کے ضروری احکام میں بھی مال خرچ کرنے سے بھاگتے تھے بلکہ زکوۃ تک ادا نہ کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے سمیٹ سمیٹ کر سینت سینت کر نہ رکھ ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے روک لے گا۔ حضرت عبداللہ بن حکم رضی اللہ عنہ تو اس آیت پر عمل کرتے ہوئے کبھی تھیلی کا منہ ہی نہ باندھتے تھے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں اے ابن آدم! اللہ تعالیٰ کی وعید سن رہا ہے پھر مال سمیٹتا جا رہا ہے؟ حضرت قتادہؒ فرماتے مال کے جمع کرنے میں حلال حرام کا پاس نہ رکھتا تھا اور فرمان الٰہی ہوتے ہوئے بھی خرچ کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾

بے شک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے ○ جب اسے مصیبت پہنچتی ہے ہڑ بڑا اٹھتا ہے ○ اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ○ مگر وہ

نمازی ○ جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں ○ اور جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے ○ مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی ○ اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں ○

انسان بے صبرا' بخیل اور کنجوس بھی ہے: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۶) یہاں انسانی جبلت کی کمزوری بیان ہو رہی ہے کہ یہ بڑا ہی بے صبرا ہے' مصیبت کے وقت تو مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے باؤلا سا ہو جاتا ہے' گویا دل اڑ گیا اور گویا اب کوئی آس باقی نہیں رہی اور راحت کے وقت بخیل کنجوس بن جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کا حق بھی ڈکار جاتا ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بدترین چیز انسان میں بے حد بخیلی اور اعلیٰ درجہ کی نامردی ہے (ابوداؤد) پھر فرمایا کہ ہاں اس مذموم خصلت سے وہ لوگ دور ہیں جن پر خاص فضل الٰہی ہے اور جنہیں توفیق خیر ازل سے مل چکی ہے' جن کی صفتیں یہ ہیں کہ وہ پورے نمازی ہیں' وقتوں کی نگہبانی کرنے' واجبات نماز کو اچھی طرح بجالانے' سکون' اطمینان اور خشوع وخضوع سے پابندی کے ساتھ ادا کرنے والے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بیشک ان کے رب کے عذاب سے کوئی بے خوف نہیں کیا گیا ○ اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں ○ اب جو کوئی اس کے علاوہ ڈھونڈے وہ لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں ○ اور جو اپنی امانتوں کی اور اپنے قول قرار کی رعایت کرنے والے ہیں ○ اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم ہیں ○

(آیت:۲۷-۳۳) جیسے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ' ان ایمان داروں نے نجات پالی جو اپنی نماز خوف اللہ سے ادا کرتے ہیں' ٹھہرے ہوئے بے حرکت کے پانی کو بھی عرب مَآءٌ دَائِمٌ کہتے ہیں' اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں اطمینان واجب ہے' جو شخص اپنے رکوع سجدے پوری طرح ٹھہر کر با اطمینان ادا نہیں کرتا وہ اپنی نماز پر دائم نہیں کیونکہ نہ وہ سکون کرتا ہے نہ اطمینان بلکہ کوے کی طرح ٹھونگیں مار لیتا ہے' اس کی نماز اسے نجات نہیں دلوائے گی' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر نیک عمل پر مداومت اور ہمیشگی کرنا ہے جیسے کہ نبی علیہ صلوات اللہ کا فرمان ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے جس پر مداومت کی جائے گو کم ہو' خود حضور علیہ السلام کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جس کام کو کرتے اس پر ہمیشگی کرتے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت دانیال پیغمبرؑ نے امت محمد ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایسی نماز پڑھے گی کہ اگر قوم نوحؑ ایسی نماز پڑھتی تو ڈوبتی نہیں اور قوم عاد کی اگر ایسی نماز ہوتی تو ان پر بے برکتی کی ہوائیں نہ بھیجی جاتیں اور اگر قوم ثمود کی نماز ایسی ہوتی تو انہیں چیخ سے ہلاک نہ کیا جاتا۔ پس اے لوگو! نماز کو اچھی طرح پابندی سے پڑھا کرو' مومن کا یہ زیور اور اس کا بہترین خلق ہے۔ پھر فرماتا ہے ان کے مالوں میں حاجت مندوں کا بھی مقررہ حصہ ہے' سَآئِلِ اور مَحْرُوْمِ کی

پوری تفسیر سورۂ ذاریات میں گزر چکی ہے۔ یہ لوگ حساب اور جزا کے دن پر بھی یقین کامل اور پورا ایمان رکھتے ہیں' اسی وجہ سے وہ اعمال کرتے ہیں جن سے ثواب پائیں اور عذاب سے چھوٹیں۔ پھر ان کی صفت بیان ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے اور خوف کھانے والے ہیں' جس عذاب سے کوئی عقل مند انسان بے خوف نہیں رہ سکتا ہاں جسے اللہ امن دے اور یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے روکتے ہیں' جہاں اللہ کی اجازت نہیں اس جگہ سے بچاتے ہیں' ہاں اپنی بیویوں اور اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں' سو اس میں ان پر کوئی ملامت اور الاہنا نہیں' لیکن جو شخص ان کے علاوہ اور جگہ یا اور طرح اپنی شہوت رانی کر لے وہ یقیناً حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے۔ ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں گزر چکی ہے' یہاں دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ امانت کے ادا کرنے والے' وعدوں اور وعیدوں' قول اور قرار کو پورا کرنے والے اور اچھی طرح نباہنے والے ہیں' نہ خیانت کریں نہ بدعہدی اور وعدہ شکنی کریں۔ یہ کل صفتیں مومنوں کی ہیں اور ان کا خلاف کرنے والا منافق ہے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے منافق کی تین خصلتیں ہیں جب بھی بات کرے جھوٹ بولے' جب بھی وعدہ کرے خلاف کرے' جب امانت دیا جائے خیانت کرے۔ ایک اور روایت میں ہے جب بھی عہد کرے توڑ دے اور جب بھی جھگڑے گالیاں بولے۔ یہ اپنی شہادتوں کی بھی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی نہ اس میں کمی کریں نہ زیادتی' نہ شہادت دینے سے بھاگیں نہ اسے چھپائیں' جو چھپالے وہ گنہگار دل والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع۲

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ یہی لوگ جنتوں میں عزت واکرام کئے جائیں گے ○

(آیت:۳۴-۳۵) پھر فرمایا وہ اپنی نماز کی پوری چوکسی کرتے ہیں یعنی وقت پر ارکان اور واجبات اور مستحبات کو پوری طرح بجالا کر نماز پڑھتے ہیں' یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ان جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شروع وصف میں بھی نماز کی ادائیگی کا بیان کیا اور ختم بھی اسی پر کیا' پس معلوم ہوا کہ نماز امر دین میں عظیم الشان کام ہے اور سب سے زیادہ شرافت اور فضیلت والی چیز بھی یہی ہے' اس کا ادا کرنا سخت ضروری اور اس کا بندوبست نہایت ہی تاکید والا ہے۔ سورۂ قد افلح المومنون میں بھی ٹھیک اسی طرح بیان ہوا ہے' اور وہاں ان اوصاف کے بعد بیان فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وارث فردوس ہیں اور یہاں فرمایا یہی لوگ جنتی ہیں اور قسم قسم کی لذتوں اور خوشبوؤں سے عزت واقبال کے ساتھ مسرور و محظوظ ہیں۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾

پس کافروں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ تیری طرف کیوں دوڑتے آتے ہیں O دائیں اور بائیں سے گروہ کے گروہ O کیا ان میں سے ہر ایک کی توقع یہ ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟ O ایسا نہ ہوگا‘ ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں O پس مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم یقیناً قادر ہیں O کہ ان کے عوض ان سے اچھے لوگ لائیں ہم عاجز نہیں O

مرکز نور وہدایت سے مفرور انسان: ☆☆ (آیت:۳٦-۴۱) اللہ تعالیٰ عزوجل ان کافروں پر انکار کر رہا ہے جو حضورؐ کے مبارک زمانہ میں تھے خود آپ کو وہ دیکھ رہے تھے اور آپؐ جو ہدایت لے کر آئے وہ ان کے سامنے تھی اور آپؐ کے کھلے معجزے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر باوجود ان تمام باتوں کے وہ بھاگ رہے تھے اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر دائیں بائیں کترا جاتے تھے جیسے اور جگہ ہے فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ الخ یہ نصیحت سے منہ پھیر کر ان گدھوں کی طرح جو شیر سے بھاگ رہے ہوں‘ کیوں بھاگ رہے ہیں‘ یہاں بھی اسی طرح فرما رہا ہے کہ ان کفار کو کیا ہو گیا ہے یہ نفرت کر کے کیوں تیرے پاس سے بھاگے جا رہے ہیں؟ کیوں کر دائیں بائیں سرکتے جاتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ متفرق طور اختلاف کے ساتھ ادھر ادھر ہو رہے ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خواہش نفس پر عمل کرنے والوں کے حق میں یہی فرمایا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مخالف ہوتے ہیں اور آپس میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں کتاب اللہ کی مخالفت میں سب متفق ہوتے ہیں‘ حضرت ابن عباسؓ بروایت عوفی مروی ہے کہ وہ ٹولیاں ہو کر بے پرواہی کے ساتھ تیرے دائیں بائیں ہو کر تجھے مذاق سے گھورتے ہیں‘ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں یعنی دائیں بائیں الگ ہو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے کیا کہا؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں دائیں بائیں ٹولیاں ٹولیاں ہو کر حضورؐ کے اردگرد پھرتے رہتے ہیں نہ کتاب اللہ کی چاہت ہے نہ رسول اللہ کی رغبت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس آئے اور وہ متفرق طور پر حلقے حلقے تھے تو فرمایا میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورتوں میں کیسے دیکھ رہا ہوں؟ (احمد)

ابن جریر میں اور سند سے بھی مروی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کیا ان کی چاہت ہے کہ جنت نعیم میں داخل کئے جائیں؟ ایسا نہ ہوگا یعنی جب ان کی یہ حالت ہے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہؐ کے دائیں بائیں کترا جاتے ہیں پھر ان کی یہ چاہت پوری نہیں ہو سکتی بلکہ یہ جہنمی گروہ ہے‘ اب جس چیز کو یہ محال جانتے تھے اس کا بہترین ثبوت ان ہی کی معلومات اور اقرار سے بیان ہو رہا ہے کہ جس نے تمہیں ضعیف پانی سے پیدا کیا ہے جیسے کہ خود تمہیں بھی معلوم ہے پھر کیا وہ تمہیں دوبارہ نہیں پیدا کر سکتا؟ جیسے اور جگہ ہے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ کیا ہم نے تمہیں ناقدرے پانی سے پیدا نہیں کیا؟ فرمان ہے فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ الخ‘ انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے یقیناً وہ اللہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے جس دن پوشیدگیاں کھل جائیں گی اور کوئی طاقت نہ ہوگی نہ مددگار۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے مجھے قسم ہے اس کی جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور مشرق و مغرب متعین کی اور ستاروں کے چھپنے اور ظاہر ہونے کی جگہیں مقرر کر دیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے کافرو! جیسا تمہارا گمان ہے ویسا معاملہ نہیں کہ نہ حساب کتاب ہو نہ حشر نشر ہو بلکہ یہ سب یقیناً ہونے والی چیزیں ہیں۔ اسی لئے قسم سے پہلے ان کے باطل خیال کی تکذیب کی اور اسے اس طرح ثابت کیا کہ اپنی قدرت کاملہ کے مختلف نمونے ان کے سامنے پیش کئے‘ مثلاً آسمان و زمین کی ابتدائی پیدائش اور حیوانات‘ جمادات اور مختلف قسم کی مخلوق کی موجودگی۔ جیسے اور جگہ ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی آسمان و زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر اللہ قادر ہے تو چھوٹی چیزوں کی پیدائش پر کیوں قادر نہ ہوگا؟ جیسے اور جگہ ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِىَ الْمَوْتٰى بَلٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ یعنی کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش میں نہ تھکا - کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک وہ قادر ہے اور ایک اس پر کیا ہر ایک چیز پر اسے قدرت حاصل ہے ایک دوسری جگہ ارشاد ہے اَوَلَيْسَ الَّذِىْ الخ یعنی کیا زمین وآسمان کو پیدا کرنے والا ان کے مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ ہاں ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے وہ جس چیز کا ارادہ کرے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ مشرق اور مغرب کے پروردگار کی قسم ہم ان کے ان جسموں کو جیسے یہ اب ہیں اس سے بھی بہتر صورت میں بدل ڈالنے پر پورے پورے قادر ہیں، کوئی چیز کوئی شخص اور کوئی کام ہمیں عاجز اور درماندہ نہیں کر سکتا۔ اور جگہ ارشاد ہے اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ الخ، کیا کسی شخص کا یہ گمان ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے؟ غلط گمان ہے بلکہ ہم تو اس کی پور پور جمع کر کے ٹھیک ٹھاک بنا دیں گے اور فرمایا نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ الخ، ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کر دی ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تم جیسوں کو بدل ڈالیں اور تمہیں اس نئی پیدائش میں پیدا کریں جسے تم جانتے بھی نہیں۔ پس ایک مطلب تو آیت مندرجہ بالا کا یہ ہے، دوسرا مطلب امام ابن جریرؒ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہم قادر ہیں اس امر پر کہ تمہارے بدلے ایسے لوگ پیدا کر دیں جو ہمارے مطیع وفرمانبردار ہوں اور ہماری نافرمانیوں سے رکے رہنے والے ہوں، جیسے اور جگہ فرمان ہے۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا الخ، یعنی اگر تم نے منہ موڑا تو اللہ تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا اور وہ تم جیسی نہ ہو گی، لیکن پہلا مطلب دوسری آیتوں کی صاف دلالت کی وجہ سے زیادہ ظاہر ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ
يُوعَدُوْنَ ۝۴۲ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ
اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝۴۳ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِكَ
الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوعَدُوْنَ ۝۴۴

ع ۲

پس تو انہیں جھگڑتا کھیلتا چھوڑ دے یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے ملیں جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں ○ جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی تھان کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں ○ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھا رہی ہو گی، یہ ہے وہ دن جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے تھے ○

دنیا میں ڈھیل: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۴) پھر فرماتا ہے اے نبیؐ انہیں ان کے جھٹلانے، کفر کرنے، سرکشی میں بڑھنے ہی میں چھوڑ دو جس کا وبال ان پر اس دن آئے گا جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ انہیں بلائے گا اور یہ میدان محشر کی طرف جہاں انہیں حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا اس طرح لپکتے ہوئے جائیں گے جس طرح دنیا میں کسی بت یا علم، تھان اور چلے کو چھونے اور ڈنڈوت کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے جاتے ہیں، مارے شرم وندامت کے نگاہیں زمین گڑی ہوئی ہوں گی اور چہروں پر پھٹکار برس رہی ہو گی، یہ ہے دنیا میں اللہ کی اطاعت سے سرکشی کرنے کا نتیجہ! اور یہ ہے وہ دن جس کے ہونے کو آج محال جانتے ہیں اور ہنسی مذاق میں نبیؐ شریعت اور کلام الٰہی کی حقارت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیامت کیوں قائم نہیں ہوتی؟ ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

الحمدللہ سورۂ معارج کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ نوح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱﴾ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲﴾ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۳﴾ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾

اللہ تعالیٰ بخشش و رحم کرنے والے کے نام سے ○

یقیناً ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا دے اس سے پہلے کہ ان کے پاس دردناک عذاب آئے ○ نوحؑ نے کہا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں ○ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اسی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ○ تو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایک وقت مقررہ تک چھوڑ دے گا۔ یقیناً اللہ کا وعدہ جب آ جاتا ہے تو موقوف نہیں رکھا جاتا' کاش کہ تمہیں سمجھ ہوتی ○

عذاب سے پہلے نوح علیہ السلام کا قوم سے خطاب: ☆☆ (آیت: ۱-۴) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ عذاب کے آنے سے پہلے اپنی قوم کو ہوشیار کر دو اگر وہ توبہ کر لیں گے اور اللہ کی طرف جھکنے لگیں گے تو عذاب خدا ان سے اٹھ جائیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ ربانی پیغام اپنی امت کو پہنچا دیا اور صاف کہہ دیا کہ دیکھو میں کھلے لفظوں میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں' میں صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت' اس کا ڈر اور میری اطاعت لازمی چیزیں ہیں' جو کام رب نے تم پر حرام کئے ہیں ان سے بچو' گناہ کے کاموں سے الگ تھلگ رہو' جو میں کہوں بجالاؤ' جس سے روکوں رک جاؤ میری سالت کی تصدیق کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ میں لفظ من یہاں زائد ہے' اثبات کے موقع پر بھی کبھی لفظ من زائد آ جاتا ہے جیسے عرب کے مقولے قَدْ کَانَ مِنْ مَّطَرٍ میں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معنی میں عن کے ہو بلکہ ابن جریر تو اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ اور یہ قول بھی ہے کہ من تبعیض کے لئے ہے یعنی تمہارے کچھ گناہ معاف فرما دے گا یعنی وہ گناہ جن پر سزا کا وعدہ ہے اور بڑے بڑے گناہ ہیں اگر تم نے یہ تینوں کام کئے تو وہ معاف ہو جائیں گے اور جن عذابوں سے وہ تمہیں اب تمہاری ان خطاؤں اور غلط کاریوں کی وجہ سے برباد کرنے والا ہے اس عذاب کو ہٹا دے گا اور تمہاری عمریں بڑھا دے گا۔ اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ اطاعت خدا' نیک سلوک اور صلہ رحمی سے حقیقتاً عمر بڑھ جاتی ہے۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ صلہ رحمی عمر بڑھاتی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ نیک اعمال اس سے پہلے کر لو کہ اللہ کا عذاب آ جائے اس لئے کہ جب وہ آ جاتا ہے پھر نہ اسے کوئی ہٹا سکتا ہے نہ روک سکتا ہے' اس بڑے کی بڑائی نے ہر چیز کو پست کر رکھا ہے' اس کی عزت و عظمت کے سامنے تمام مخلوق پست ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِىۡ لَيۡلًا وَّنَهَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمۡ يَزِدۡهُمۡ دُعَآءِىۡۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَاِنِّىۡ كُلَّمَا دَعَوۡتُهُمۡ لِتَغۡفِرَ لَهُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَهُمۡ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَاسۡتَغۡشَوۡا ثِيَابَهُمۡ وَاَصَرُّوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوا اسۡتِكۡبَارًا ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّىۡ دَعَوۡتُهُمۡ جِهَارًا ۙ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّىۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَهُمۡ وَاَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ اِسۡرَارًا ۙ﴿۹﴾ فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ يُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَيۡكُمۡ مِّدۡرَارًا ۙ﴿۱۱﴾

نوحؑ نے کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا O مگر میرے بلانے سے یہ بھاگنے میں اور بڑھتے ہی گئے O میں نے جب کبھی انہیں تیری طرف بخشش کے لئے بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور سخت سرکشی کی O پھر میں نے انہیں با آواز بلند بلایا O اور بیشک میں نے ان سے اعلانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ' وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے O وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا O

نوسو سال صدا بصحرا کے بعد بھی ایک پیغمبرانہ کوشش: ☆☆ (آیت:۵-۱۱) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ساڑھے نوسو سال تک کی لمبی مدت میں کس کس طرح حضرت نوحؑ نبی نے اپنی قوم کو رشد و ہدایت کی طرف بلایا' قوم نے کس کس طرح اعراض کیا' کیسی کیسی اذیتیں خدا کے پیارے پیغمبر کو پہنچائیں اور کس طرح اپنی ضد پر اڑ گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام بطور شکایت کے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ خدایا! میں نے تیرے حکم کی پوری طرح سرگرمی سے تعمیل کی' تیرے فرمان عالیشان کے مطابق نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات بلکہ دھن باندھے ہر وقت انہیں راہ راست کی دعوت دیتا رہا لیکن اسے کیا کروں کہ جس دل سوزی سے میں انہیں نیکی کی طرف بلاتا رہا وہ اسی سختی سے مجھ سے بھاگتے رہے' حق سے روگردانی کرتے رہے یہاں تک ہوا کہ میں نے ان سے کہا آؤ رب کی سنو تا کہ رب بھی تمہیں بخشے لیکن انہوں نے میرے ان الفاظ کا سننا بھی گوارا نہ کیا کان بند کر لئے۔ یہی حال کفار قریش کا تھا کہ کلام اللہ کو سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جیسے ارشاد ہے وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَسۡمَعُوۡا لِھٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِیۡهِ لَعَلَّکُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ یعنی کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور جب یہ پڑھا جاتا ہو تو شور و غل کرو تا کہ تم غالب رہو۔ قوم نوح نے جہاں اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں وہاں اپنے منہ بھی کپڑوں سے چھپا لئے تا کہ وہ پہچانے بھی نہ جائیں اور نہ کچھ سنیں' اپنے شرک و کفر پر ضد کے ساتھ اڑ گئے اور اتباع حق سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس سے بے پرواہی کی اور اسے حقیر جان کر تکبر سے پیٹھ پھیر لی۔

حضرت نوحؑ فرماتے ہیں عام لوگوں کے مجمع میں بھی میں نے انہیں کہا سنا' با آواز بلند ان کے کان کھول دیئے اور بسا اوقات ایک ایک کو چپکے چپکے بھی سمجھایا۔ غرض تمام جتن کر لئے کہ یوں نہیں یوں سمجھ جائیں اور یوں نہیں تو یوں راہ راست پر آ جائیں' میں نے ان سے کہا کہ کم از کم تم اپنی بدکاریوں سے توبہ ہی کر لو وہ خدا غفار ہے ہر جھکنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے اور خواہ اس سے کیسے ہی بد سے بدتر اعمال سرزد ہوئے ہوں ایک آن میں معاف فرما دیتا ہے اور یہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی وہ تمہیں تمہارے استغفار کی وجہ سے طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور درد و دکھ سے بچا لے گا۔ وہ تم پر خوب موسلا دھار بارش برسائے گا۔ یہ یاد رہے کہ قحط سالی کے موقع پر جب نماز استسقاء کے لئے مسلمان نکلیں تو مستحب ہے کہ اس نماز میں اس سورت کو پڑھیں۔ اس کی ایک دلیل تو یہی آیت ہے دوسرے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل بھی یہی ہے- آپ سے مروی ہے کہ بارش مانگنے کے لئے جب آپ نکلے تو منبر پر چڑھ کر آپ نے خوب استغفار کیا اور استغفار والی آیتوں کی تلاوت کی جن میں ایک آیت یہ بھی تھی۔ پھر فرمانے لگے کہ بارش کو میں نے بارش کی تمام راہوں سے جو آسمان میں ہیں طلب کر لیا ہے یعنی وہ احکام ادا کئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمایا کرتا ہے-

وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿١٢﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿١٤﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿١٨﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾ ع

اور تمہیں خوب پے درپے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں نکال دے گا ○ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کی بزرگی کا عقیدہ نہیں رکھتے ؟ ○ حالانکہ اس نے تمہیں مختلف طور سے پیدا کیا ہے ○ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے کس طرح سات آسمان پیدا کر دیئے ○ اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا اور سورج کو روشن چراغ بنایا ○ اور تم کو زمین سے ایک خاص طریقے سے پیدا کیا ○ پھر تمہیں اسی میں لوٹا لے جائے گا اور ایک خاص طریقہ سے پھر نکالے گا ○ اور تمہارے لئے زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش بنا دیا ○ تا کہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو پھرو ○

استغفار اور باران رحمت: ☆☆ (آیت: ۱۱-۲۰) حضرت نوح فرماتے ہیں اے میری قوم کے لوگو! تم اگر استغفار کرو گے تو بارش کے ساتھ ہی ساتھ رزق کی برکت بھی تمہیں ملے گی' زمین و آسمان کی برکتوں سے تم مالا مال ہو جاؤ گے' کھیتیاں خوب ہوں گی' جانوروں کے تھن دودھ سے پر رہیں گے' مال و اولاد میں ترقی ہو گی' قسم قسم کے پھلوں سے لدے پھدے باغات تمہیں نصیب ہوں گے جن کے درمیان چوطرفہ صاف اور بابرکت پانی کی ریل پیل ہو گی' ہر طرف نہریں اور دریا جاری ہو جائیں گے- اس طرح رغبتیں دلا کر پھر ذرا خوف زدہ بھی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قائل کیوں نہیں ہوتے؟ اس کے عذابوں سے بے باک کیوں ہو گئے ہو؟ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کن کن حالات میں کس کس لوٹ پھیر کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ پہلے پانی کی بوند پھر جامد خون پھر گوشت کا لوتھڑا پھر اور صورت پھر اور حالت وغیرہ- اسی طرح دیکھو تو سہی کہ اس نے ایک پر ایک اس طرح آسمان پیدا کئے خواہ وہ صرف سننے سے ہی معلوم ہوئے ہوں یا ان وجوہ سے معلوم ہوئے ہوں جو محسوس ہیں جو ستاروں کی چال اور ان کے کسوف سے سمجھی جا سکتی ہیں جیسے کہ اس علم والوں کا بیان ہے۔ گو اس میں بھی ان کا سخت تر اختلاف ہے کہ کواکب چلنے پھرنے والے بڑے بڑے سات ہیں' ایک ایک کو بے نور کر دیتا ہے' سب سے قریب آسمان دنیا میں تو چاند ہے جو دوسروں کو ماند کئے ہوئے ہے اور دوسرے آسمان پر عطارد ہے' تیسرے میں زہرہ ہے' چوتھے میں سورج ہے' پانچویں میں مریخ ہے' چھٹے میں مشتری' ساتویں میں زحل اور باقی کواکب جو ثوابت ہیں وہ آٹھویں میں ہیں جس کا نام یہ لوگ فلک ثوابت رکھتے ہیں اور ان میں سے جو شروع والے ہیں وہ اسے کرسی کہتے ہیں اور نواں فلک ان کے نزدیک اطلس اور اثیر ہے

جس کی حرکت ان کے خیال میں افلاک کی حرکت کے خلاف ہے اس لئے کہ دراصل اس کی حرکت اور حرکتوں کا مبداء ہے وہ مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتا ہے اور باقی سب آسمان مشرق سے مغرب کی طرف اور انہی کے ساتھ کواکب بھی گھومتے پھرتے رہتے ہیں لیکن سیاروں کی حرکت افلاک کی حرکت کے بالکل برعکس ہے وہ سب مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتے ہیں اور ان میں کا ہر ایک اپنے آسمان کا پھیرا اپنی مقدور کے مطابق کرتا ہے' چاند تو ہر ماہ میں ایک بار' سورج ہر سال میں ایک بار' زحل ہر تیس سال میں ایک مرتبہ۔ مدت کی یہ کمی بیشی باعتبار آسمان کی لمبائی چوڑائی کے ہے ورنہ سب کی حرکت سرعت میں بالکل مناسبت رکھتی ہے۔

یہ خلاصہ ان کی تمام تر باتوں کا جس میں ان میں آپس میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے۔ نہ ہم اسے یہاں وارد کرنا چاہتے ہیں نہ اس کی تحقیق و تفتیش سے اس وقت کوئی غرض ہے۔ مقصود صرف اس قدر ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سات آسمان بنائے ہیں اور وہ اوپر تلے ہیں پھر ان میں سورج چاند پیدا کیا ہے' دونوں کی چمک دمک اور روشنی اور اجالا الگ الگ ہے جس سے دن رات کی تمیز ہو جاتی ہے' پھر چاند کی مقررہ منزلیں اور بروج ہیں پھر اس کی روشنی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ بالکل چھپ جاتا ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ اپنی پوری روشنی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے مہینے اور سال معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً الخ' اللہ وہ ہے جس نے سورج' چاند خوب روشن چمکدار بنائے اور چاند کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تمہیں سال اور حساب معلوم ہو جائیں ان کی پیدائش حق ہی کے ساتھ ہے۔ عالموں کے سامنے قدرت الٰہی کے یہ نمونے الگ الگ موجود ہیں۔

انسان مٹی سے پیدا ہوا: ☆☆ پھر فرمایا اللہ نے تمہیں زمین سے اگایا۔ اس مصدر نے مضمون کو بے حد لطیف کر دیا پھر تمہیں مار ڈالنے کے بعد اسی میں لوٹائے گا پھر قیامت کے دن اسی سے تمہیں نکالے گا جیسے اول دفعہ پیدا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارا فرش بنا دیا اور وہ ملے جلے نہیں اس لئے اس پر مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے' اسی زمین کے کشادہ راستوں پر تم چلتے پھرتے ہو' اسی پر رہتے سہتے ہو' ادھر سے ادھر جاتے آتے ہو' غرض حضرت نوح علیہ السلام کی یہ ہے کہ عظمت خدا اور قدرت خدا کے نمونے اپنی قوم کے سامنے رکھ کر انہیں آمادہ کر رہے ہیں کہ زمین و آسمان کی برکتوں کے دینے والے' ہر چیز کے پیدا کرنے والے' عالی شان قدرت کے رکھنے والے رازق خالق اللہ کا کیا تم پر اتنا بھی حق نہیں کہ تم اسے پوجو' اس کا لحاظ رکھو اور اس کے کہنے سے اس کے سچے نبی کی راہ اختیار کرو۔ تمہیں ضرور چاہئے کہ صرف اسی کی عبادت کرو کسی اور کو نہ پوجو۔ اس جیسا اس کا شریک اس کا ساجھی اس کا مثل کسی کو نہ جانو' اسے جورو سے اور اسے بیٹوں پوتوں سے' اسے وزیر و مشیر سے' اسے مثل و نظیر سے پاک مانو' اسی کو بلند و بالا' اسی کو عظیم و اعلیٰ جانو۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

نوح نے کہا اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری تو نافرمانی کی اور ایسوں کی فرمانبرداری کی جنہیں ان کے مال و اولاد نے نقصان ہی میں بڑھایا ہے ○ اور ان لوگوں نے بڑا سخت فریب کیا ○ اور کہا کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود و سواع و یغوث و یعوق و نسر کو ○ چھوڑنا اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اے اللہ! تو ان ظالموں کی گمراہی ہی بڑھا ○

نوح علیہ السلام کی بارگاہ الٰہی میں روداد غم : ☆☆ (آیت:۲۱-۲۴) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی گذشتہ شکایتوں کے ساتھ ہی جناب باری میں اپنی قوم کے لوگوں کی اس روش کو بھی بیان کیا کہ میری پکار کو جوان کے لئے سراسر نفع بخش تھی انہوں نے کان تک نہ لگایا' ہاں اپنے مالداروں اور بےفکروں کی مان لی جو تیرے امر سے بالکل غافل تھے اور مال واولاد کے پیچھے مست تھے' گو فی الواقع وہ مال واولاد بھی ان کے لئے سراسر وبال جان تھا کیونکہ ان کی وجہ سے وہ پھولتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھولتے تھے اور زیادہ نقصان میں اترتے جاتے تھے۔ وَلَدُہٗ کی دوسری قرأت وَلَدَہٗ بھی ہے اور ان رئیسوں نے جو مال وجاہ والے تھے ان سے بڑی مکاری کی۔ کُبَّار کِبَار دونوں معنی میں کَبِیر کے ہیں معنی بہت بڑا۔ قیامت کے دن بھی یہ لوگ یہی کہیں گے کہ تمہارا دن رات مکاری سے' ہمیں کفر وشرک کا حکم کرنا اور ان بڑوں نے ان چھوٹوں سے کہا کہ اپنے ان بتوں کو جنہیں تم پوجتے رہے ہرگز نہ چھوڑنا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قوم نوح کے بتوں کو کفار عرب نے لے لیا' دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب ود کو پوجتے تھے' ہذیل قبیلہ سواع کا پرستار تھا اور قبیلہ مراد پھر قبیلہ بنو جوصرف کے رہنے والے تھے یہ شہر سبا بستی کے پاس ہے' یغوث کی پوجا کرتا تھا' ہمدان قبیلہ یعوق کا پجاری تھا آل ذی کلاں کا قبیلہ حمیر نسر بت کا ماننے والا تھا یہ سب بت دراصل قوم نوح کے صالح بزرگ اولیاء اللہ لوگ تھے' ان کے انتقال کے بعد شیطان نے اس زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں ڈالی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں ان کی کوئی یادگار قائم کریں چنانچہ انہوں نے وہاں نشان بنادیئے اور ہر بزرگ کے نام پر انہیں مشہور کیا' جب تک یہ لوگ زندہ رہے تب تک تو اس جگہ کی پرستش نہ ہوئی لیکن ان نشانات اور یادگار قائم کرنے والے لوگوں کے مرجانے کے بعد اور علم کے اٹھ جانے کے بعد جو لوگ آئے بوجہ جہالت کے انہوں نے باقاعدہ ان جگہوں کی اور ان ناموں کی پوجا پاٹ شروع کردی۔ حضرت عکرمہ' حضرت ضحاک' حضرت قتادہ' حضرت ابن اسحاق' بھی یہی فرماتے ہیں۔

قوم نوح میں مشرک کی ابتدا: ☆☆ حضرت محمد بن قیسؒ فرماتے ہیں یہ بزرگ' عابد' اللہ والے' اولیاء اللہ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے سچے تابع فرمان صالح لوگ تھے جن کی پیروی اور لوگ بھی کرتے تھے' جب یہ مرگئے تو ان کے مقتدیوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ہمیں عبادت میں خوب دلچسپی رہے گی اور شوق عبادت ان بزرگوں کی صورتیں دیکھ کر بڑھتا رہے گا چنانچہ ایسا ہی کیا جب یہ لوگ بھی مرکھپ گئے اور ان کی نسلیں آئیں تو شیطان نے انہیں یہ گھٹی پلائی کہ تمہارے بڑے ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے اور انہیں سے بارش وغیرہ مانگتے تھے چنانچہ انہوں نے اب باقاعدہ ان بزرگوں کی تصویروں کی پرستش شروع کردی۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیث علیہ السلام کے قصے میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے تھے' بیس لڑکے بیس لڑکیاں' ان میں سے جن کی بڑی عمریں ہوئیں' ان میں ہابیل قابیل' صالح اور عبدالرحمٰن تھے جن کا پہلا نام عبدالحارث تھا اور ود تھا جنہیں شیث اور ہبۃ اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ تمام بھائیوں نے سرداری انہیں کو دے رکھی تھی' ان کی اولاد یہ چاروں تھے یعنی سواع یغوث یعوق اور نسر۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بیماری کے وقت ان کی اولاد ود' یغوث' یعوق' سواع اور نسر تھی۔ ود ان سب میں بڑا اور سب سے نیک سلوک تھا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے تھے اور لوگوں نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا آپ نے فارغ ہو کر فرمایا سنو وہ وہاں قتل کیا گیا جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی پرستش ہوئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک دیندار ولی اللہ مسلمان جسے لوگ بہت چاہتے تھے اور بڑے معتقد تھے وہ مرگیا' یہ لوگ مجاور بن کر اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور رونا پیٹنا اور اسے یاد کرنا شروع کیا اور بڑے بے چین اور مصیبت زدہ ہو گئے' ابلیس لعین نے یہ دیکھ کر انسانی صورت میں ان کے پاس آ کر ان سے کہا کہ اس بزرگ کی یادگار کیوں قائم نہیں کر لیتے؟ جو ہر وقت تمہارے

سامنے رہے اور تم اسے نہ بھولو۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ ابلیس نے اس بزرگ کی تصویر بنا کر ان کے پاس کھڑی کر دی جسے دیکھ دیکھ کر یہ لوگ اسے یاد کرتے تھے اور اس کی عبادت کے تذکرے رہتے تھے جب وہ سب اس میں مشغول ہو گئے تو ابلیس نے کہا تم سب کو یہاں آنا پڑتا ہے اس لئے یہ بہتر ہو گا کہ میں اس کی بہت سی تصویریں بنا دوں تم انہیں اپنے اپنے گھروں میں ہی رکھ لو وہ اس پر بھی راضی ہوئے اور یہ بھی ہو گیا۔ اب تک صرف یہ تصویریں اور یہ بت بطور یادگار کے ہی تھے مگر ان کی دوسری پشت میں جا کر براہ راست ان ہی کی عبادت ہونے لگی۔ اصل واقعہ سب فراموش کر گئے اور اپنے باپ دادوں کو بھی ان کی عبادت کرنے والا سمجھ کر خود بھی بت پرستی میں مشغول ہو گئے ان کا نام ود تھا اور یہی پہلا وہ بت ہے جس کی پوجا اللہ کے سوا کی گئی۔ انہوں نے بہت مخلوق کو گمراہ کیا' اس وقت سے لے کر اب تک عرب و عجم میں اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش شروع ہو گئی اور مخلوق خدا بہک گئی۔ چنانچہ خلیل اللہ علیہ السلام اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا خدایا انہوں نے اکثر مخلوق کو بے راہ کر دیا۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے لئے بددعا کرتے ہیں کیونکہ ان کی سرکشی' ضد اور عداوت حق خوب ملاحظہ فرما چکے تھے تو کہتے ہیں کہ خدایا! انہیں گمراہی میں اور بڑھا دے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کے لئے بددعا کی تھی کہ پروردگار ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے' انہیں ایمان لانا نصیب نہ ہو جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں' چنانچہ دعائے نوح قبول ہوتی ہے اور قوم نوح بہ سبب اپنی تکذیب کے غرق کر دی جاتی ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ
وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ
وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ
الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع ۸

یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہوں کے ڈبو دیئے گئے اور جہنم میں پہنچا دیئے گئے اور اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار ○ انہوں نے نہ پایا اور حضرت نوح نے کہا اے میرے پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ ○ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو یقیناً یہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور ان کے ہاں جو بال بچے ہوں گے وہ بھی بدکار ناشکرے ہوں گے ○ اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو بھی ایماندار ہو کر میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور کل ایماندار عورتوں کو بخش دے اور کافروں کو سوا ہلاکت کے اور کچھ نہ بڑھا ○

کثرت گناہ تباہی کو دعوت دینا ہے: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۸) خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ کی دوسری قرأت خَطَايَاهُمْ بھی ہے۔ فرماتا ہے کہ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے یہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کی سرکشی' ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ان کی مخالفت و دشمنی رسول حد سے گزر گئی تو انہیں پانی میں ڈبو دیا گیا اور یہاں سے آگ کے گڑھے میں دھکیل دیئے گئے اور کوئی نہ کھڑا ہوا جو انہیں ان عذابوں سے بچا سکتا۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ یعنی آج کے دن عذاب خدا سے کوئی نہیں بچا سکتا صرف وہی نجات یافتہ ہو گا جس پر خدا رحم کرے۔ نوح نبی علیہ السلام ان بدنصیبوں کی اپنے قادر و ذوالجلال اللہ کی ڈیوڑھی

پر اپنا ماتھا رکھ کر فریاد کرتے ہیں اور اس مالک سے ان پر آفت و عذاب نازل کرنے کی درخواست پیش کرتے ہیں کہ اب تو ان ناشکروں میں سے خدایا ایک کو بھی زمین پر چلتا پھرتا نہ چھوڑ اور یہی ہوا بھی کہ سارے کے سارے غرقاب کر دیئے گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا جو باپ سے الگ رہا تھا وہ بھی نہ بچ سکا' سمجھا تو یہ تھا کہ پانی میرا کیا بگاڑ لے گا میں کسی بڑے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا' لیکن وہ پانی تو نہ تھا وہ تو غضب الٰہی تھا وہ تو بد دعائے نوح تھا' اس سے بھلا کون بچا سکتا تھا؟ پانی اسے وہیں جا لیتا ہے اور اپنے باپ کے سامنے باتیں کرتے کرتے ڈوب مرتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر طوفان نوح میں خدا تعالیٰ کسی پر رحم کرتا تو اس کے لائق وہ عورت تھی جو پانی کو ابلتے اور برستے دیکھ کر اپنے بچے کو لے کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور پہاڑ پر چڑھ جاتی ہے جب پانی وہاں بھی چڑھتا ہے تو بچے کو اٹھا کر اپنے مونڈھے پر بٹھا لیتی ہے جب پانی وہاں پہنچتا ہے تو سر پر بٹھا لیتی ہے جب پانی سر تک جا چڑھتا ہے تو اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر سر سے بلند اٹھا لیتی ہے لیکن آخر پانی وہاں تک پہنچتا ہے اور ماں بیٹا ڈوب جاتے ہیں پس اگر اس دن زمین کے کافروں میں سے کوئی بھی قابل رحم ہوتا تو یہ تھی مگر یہ بھی نہ بچ سکی نہ بچا سکی۔ یہ حدیث غریب ہے لیکن راوی اس کے سب ثقہ ہیں۔

دعائے نوح: ☆☆ الغرض روئے زمین کے کافر غرق کر دیئے گئے صرف وہ باایمان ہستیاں باقی رہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں تھیں اور بحکم خدا حضرت نوحؑ نے انہیں اپنے ساتھ اپنی کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو سخت' تلخ اور دیرینہ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے اپنی ناامیدی کو ظاہر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدایا میری چاہت ہے کہ ان تمام کفار کو برباد کر دیا جائے ان میں سے جو بھی باقی بچ رہا وہ ہی دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے گا اور جو نسل اس کی پھیلے گی وہ بھی اسی جیسی بدکار اور کافر ہو گی۔ ساتھ ہی اپنے لئے بخشش طلب کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں میرے رب مجھے بخش' میرے والدین کو بخش اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں آ جائے اور ہو بھی وہ باایمان۔ گھر سے مراد مسجد بھی لی ہے لیکن عام مراد یہی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مومن ہی کے ساتھ اٹھ بیٹھ' رہ سہہ اور صرف پرہیزگار ہی تیرا کھانا کھائیں۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف اسی اسناد سے یہ حدیث معروف ہے۔ پھر اپنی دعا کو عام کرتے ہیں اور کہتے ہیں تمام ایماندار مرد و عورت کو بھی بخش خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ۔ اسی لئے مستحب ہے کہ ہر شخص اپنی دعا میں دوسرے مومنوں کو بھی شامل رکھے تاکہ حضرت نوح علیہ السلام کی اقتدا بھی ہو اور ان حدیثوں پر بھی عمل ہو جائے جو اس بارے میں ہیں اور وہ دعائیں بھی آ جائیں جو منقول ہیں' پھر دعا کے خاتمے پر کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ ان کافروں کو تو تباہی و بربادی' ہلاکت اور نقصان میں ہی بڑھاتا رہ' دنیا و آخرت میں برباد ہی رہیں۔ الحمد للہ سورۂ نوح کی تفسیر بھی ختم ہو گئی۔

تفسیر سورة الجن

بسم الله الرحمن الرحيم

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝۱ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝۲ وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۝۳ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۝۴

اللہ رحمان ورحیم کے نام سے شروع ○

تو کہہ! مجھے وحی کی گئی کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور کہا ہم نے عجیب قرآن سنا ہے ○ جو راہ راست سمجھاتا ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے اب ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے ○ بے شک ہمارے رب کی بڑی بلند شان ہے۔ نہ اس کی بیوی ہے نہ اولاد ○ یقیناً ہم میں سے بیوقوفوں نے اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگادیں ○

جنات پر قرآن حکیم کا اثر: ☆☆ (آیت:۱-۴) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرماتا ہے کہ اپنی قوم کو اس واقعہ کی اطلاع دو کہ جنوں نے قرآن کریم سنا' اسے سچا مانا' اس پر ایمان لائے اور اس کے مطیع بن گئے۔ تو فرماتا ہے کہ اے نبی! تم کہو میری طرف وحی کی گئی کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کریم سنا اور اپنی قوم میں جا کر خبر کی کہ آج ہم نے عجیب وغریب کتاب سنی جو سچا اور نجات کا راستہ بتلاتی ہے' ہم تو اسے مان چکے' ناممکن ہے کہ اب ہم خدا کے ساتھ کسی اور کی عبادت کریں۔ یہی مضمون ان آیتوں میں گزر چکا ہے وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ الخ یعنی جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف لوٹایا کہ وہ قرآن سنیں اور اس کی تفسیر حدیثوں سے وہیں ہم بیان کر چکے ہیں' یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ پھر یہ جنات اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ ہمارے رب کے کام قدرت اور امر بہت بلند و بالا بڑا ذیشان اور ذی عزت ہے۔ اس کی نعمتیں' قدرتیں اور مخلوق پر مہربانیاں بہت باوقعت ہیں' اس کی جلالت وعظمت بلند پایہ ہے' اس کا جلال و اکرام بڑھا چڑھا ہے' اس کا ذکر بلند رتبہ ہے' اس کی شان اعلیٰ ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جد کہتے ہیں باپ کو' اگر جنات کو یہ علم ہوتا کہ انسانوں میں جد ہوتا ہے تو وہ خدا کی نسبت یہ لفظ نہ کہتے' یہ قول گو سنداً قوی ہے لیکن کلام بنتا نہیں اور کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا' ممکن ہے اس میں کچھ کلام چھوٹ گیا ہو واللہ اعلم۔

اللہ کی یکتائی پر جنات کی گواہی: ☆☆ پھر اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ خدا اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کی بیوی ہو یا اس کی اولاد ہو۔ پھر کہتے ہیں کہ ہمارا بیوقوف یعنی شیطان خدا پر جھوٹی تہمت رکھتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد اس سے عام ہو یعنی جو شخص خدا کی اولاد اور بیوی ثابت کرتا ہے بے عقل ہی جھوٹ بکتا ہے' باطل عقیدہ رکھتا ہے اور ظالمانہ بات منہ سے نکالتا ہے۔

جنات کے بہکنے کا سبب: پھر فرماتے ہیں کہ ہم تو اسی خیال میں تھے کہ جن وانس خدا پر جھوٹ نہیں باندھ سکتے لیکن قرآن سن کر معلوم ہوا کہ یہ دونوں جماعتیں رب العالمین پر تہمت رکھتی تھیں' دراصل خدا کی ذات اس عیب سے پاک ہے۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿۷﴾

اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ ناممکن ہے کہ انسان اور جنات اللہ پر جھوٹی باتیں لگائیں ○ بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے ○ انسانوں نے بھی تم جنوں کی طرح گمان کر لیا کہ اللہ کسی کو نہ بھیجے گا ○

(آیت:۵-۷) پھر کہتے ہیں کہ جنات کے زیادہ بہکنے کا سبب یہ ہوا کہ وہ دیکھتے تھے کہ انسان جب کبھی کسی جنگل یا ویرانے میں

جاتے ہیں تو جنات کی پناہ طلب کیا کرتے ہیں جیسے کہ جاہلیت کے زمانہ کے عرب کی عادت تھی کہ جب بھی کسی پڑاؤ پر اترتے تو کہتے کہ اس جنگل کے بڑے جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اور سمجھتے تھے کہ ایسا کہہ لینے کے بعد تمام جنات کے شر سے ہم محفوظ ہو جاتے ہیں جس طرح کسی شہر میں جاتے تو وہاں کے بڑے رئیس کی پناہ لے لیتے تاکہ شہر کے اور دشمن لوگ انہیں ایذا نہ پہنچائیں۔ جنوں نے جب یہ دیکھا کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتے ہیں تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی اور انہوں نے اور بری طرح انسانوں کو ستانا شروع کیا اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جنات نے یہ حالت دیکھ کر انسانوں کو اور خوف زدہ کرنا شروع کیا اور انہیں طرح طرح سے ستانے لگے۔

پہلے جنات انسانوں سے ڈرتے تھے: ☆☆ دراصل جنات انسانوں سے ڈرا کرتے تھے جیسے کہ انسان جنوں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ جس جنگل بیابان میں انسان جا پہنچتا تھا وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے لیکن جب سے اہل شرک نے خود ان سے پناہ مانگنی شروع کی اور کہنے لگے کہ اس وادی کے سردار جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اس سے کہ ہمیں یا ہماری اولاد و مال کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ تب جنوں نے سمجھا کہ یہ تو خود ہم سے ڈرتے ہیں تو ان کی جرأت بڑھ گئی اور اب طرح طرح سے ڈرانا' ستانا اور چھیڑنا انہوں نے شروع کیا' وہ گناہ میں' خوف میں' طغیانی اور سرکشی میں اور بڑھ گئے۔

کردم بن ابوسائب انصاری کہتے ہیں میں اپنے والد کے ہمراہ مدینہ سے کسی کام کے لئے باہر نکلا' اس وقت حضور کی بعثت ہو چکی تھی اور مکہ شریف میں آپ بحیثیت پیغمبر ظاہر ہو چکے تھے' رات کے وقت ہم ایک چرواہے کے پاس جنگل میں ٹھہر گئے' آدھی رات کے وقت ایک بھیڑیا آیا اور بکری اٹھا کر لے بھاگا' چرواہا اس کے پیچھے دوڑا اور پکار کر کہنے لگا اے اس جنگل کے آباد رکھنے والے! تیری پناہ میں آیا ہوا شخص لٹ گیا۔ ساتھ ہی ایک آواز آئی حالانکہ کوئی شخص نظر نہ آتا تھا کہ اے بھیڑیئے! اس بکری کو چھوڑ دے' تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ وہی بکری بھاگی بھاگی آئی اور ریوڑ میں مل گئی اسے زخم بھی نہیں لگا تھا۔ یہی بیان اس آیت میں ہے جو اللہ کے رسول پر مکہ میں اتری کہ بعض لوگ جنات کی پناہ مانگا کرتے تھے بسا ممکن ہے کہ یہ بھیڑیا بن کر آنے والا بھی جن ہی ہو اور بکری کے بچے کو پکڑ لے گیا ہو اور چرواہے کی اس دہائی پر چھوڑ دیا ہو تاکہ چرواہے کو اور پھر اس کی بات سن کر اوروں کو اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ جنات کی پناہ میں آ جانے سے نقصانات سے محفوظ رہتے ہیں اور پھر اس عقیدے کے باعث وہ اور گمراہ ہوں اور خدا کے دین سے خارج ہو جائیں واللہ اعلم۔ یہ مسلمان جن اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اے جنو! جس طرح تمہارا گمان تھا اسی طرح انسان بھی اسی خیال میں تھے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰

ہم نے آسمان ٹٹول دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں اور سخت شعلوں سے پر پایا ○ اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لئے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے' لیکن اب جو کان لگائے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے ○ ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے ○

بعثت نبوی ﷺ سے پہلے جنات: ☆☆ (آیت: ۸-۱۰) آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں پر جاتے' کسی جگہ بیٹھتے

اور کان لگا کر فرشتوں کی باتیں سنتے اور پھر آ کر کاہنوں کو خبر دیتے تھے اور کاہن ان باتوں کو بہت کچھ نمک مرچ لگا کر اپنے ماننے والوں سے کہتے' اب جب حضورؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور آپ پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو آسمانوں پر زبردست پہرے بٹھا دیئے گئے اور ان شیاطین کو پہلے کی طرح وہاں جا بیٹھنے اور باتیں اڑا لانے کا موقع نہ رہا تا کہ قرآن کریم اور کاہنوں کا کلام خلط ملط نہ ہو جائے اور حق کے متلاشی کو دقت واقع نہ ہو۔ یہ مسلمان جنات اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ پہلے تو ہم آسمان پر جا بیٹھتے تھے مگر اب تو سخت پہرے لگے ہوئے ہیں اور آگ کے شعلے تاک لگائے ہوئے ہیں۔ ایسے چھوٹ کر آتے ہیں کہ خطا ہی نہیں کرتے' جلا کر جھلسا دیتے ہیں اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے حقیقی مراد کیا ہے؟ اہل زمین کی کوئی برائی چاہی گئی ہے یا ان کے ساتھ ان کے رب کا ارادہ نیکی اور بھلائی کا ہے۔ خیال کیجئے کہ یہ مسلمان جن کس قدر ادب داں تھے کہ برائی کی اسناد کے لئے کسی فاعل کا ذکر نہیں کیا اور بھلائی کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور کہا کہ دراصل آسمان کی اس چوکیداری' اس حفاظت سے کیا مطلب ہے' اسے ہم نہیں جانتے۔

ستارے کیوں جھڑتے ہیں؟: ☆☆ اسی طرح حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ خدایا! تیری طرف سے شر اور برائی نہیں۔ ستارے اس سے پہلے بھی کبھی کبھی جھڑتے تھے لیکن اس طرح کثرت سے ان کا آگ برسانا قرآن کریم کی حفاظت و صیانت کے باعث ہوا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگہاں ایک ستارہ جھڑا اور بڑی روشنی ہوگئی تو آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ پہلے اسے جھڑتا دیکھ کر تم کیا کہا کرتے تھے؟ ہم نے کہا حضورؐ ہمارا خیال تھا کہ یا تو یہ کسی بڑے کے تولد پر جھڑتا ہے یا کسی بڑے کی موت پر' آپ نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی کام کا آسمان پر فیصلہ کرتا ہے۔ یہ حدیث پورے طور پر سباء کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ دراصل ستاروں کا بکثرت گرنا' جنات کا ان سے ہلاک ہونا' آسمان کی حفاظت کا بڑھ جانا' ان کا آسمان کی خبروں سے محروم ہو جانا ہی اس امر کا باعث بنا کہ یہ نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے چوطرف تلاش شروع کر دی کہ کیا وجہ ہوئی ہے جو ہمارا آسمانوں پر جانا موقوف ہوا؟ چنانچہ ان میں سے ایک جماعت کا گزر عرب میں ہوا اور یہاں رسول اللہ ﷺ کو صبح کی نماز میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے سنا اور سمجھ گئے کہ اس نبی کی بعثت اور اس کلام کا نزول ہی سبب ہے ہماری بندش کا پس خوش نصیب سمجھدار جن تو مسلمان ہو گئے' باقی اور جنات کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ سورۂ احقاف کی آیت وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ میں اس کا پورا بیان گزر چکا ہے' ستاروں کا جھڑنا' آسمان کا محفوظ ہو جانا جنات ہی کے مٹے نہیں بلکہ انسانوں کے لئے بھی ایک خوفناکی کی علامت تھی' وہ گھبرا رہے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے نتیجہ کیا ہو؟ اور عموماً انبیاء کی تشریف آوری اور دین اللہ کے اظہار کے وقت ایسا ہوتا بھی تھا۔

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ شیاطین اس سے پہلے آسمانی بیٹھکوں میں بیٹھ کر فرشتوں کی آپس کی باتیں اڑا لایا کرتے تھے۔ جب حضورؐ پیغمبر بنائے گئے تو ایک رات ان شیاطین پر بڑی شعلہ باری ہوئی جسے دیکھ کر اہل طائف گھبرا گئے کہ شاید آسمان والے ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ تابڑتوڑ ستارے ٹوٹ رہے ہیں' شعلے اڑ رہے ہیں اور دور دور تک تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں' انہوں نے اپنے غلام آزاد کرنے' اپنے جانور راہ للہ چھوڑنے شروع کر دیئے آخر عبدیالیل بن عمرو بن عمیر نے ان سے کہا کہ اے طائف والو! تم کیوں اپنے مال برباد کر رہے ہو؟ تم نجوم دیکھو اگر ستاروں کو اپنی اپنی جگہ پاؤ تو سمجھ لو کہ آسمان والے تباہ نہیں ہوئے بلکہ یہ سب کچھ انتظامات صرف ابن ابی کبشہ کے لئے ہو رہے ہیں (یعنی رسول اللہ ﷺ کے لئے) اور اگر تم دیکھو کہ فی الحقیقت ستارے اپنی مقررہ جگہ پر نہیں تو بے شک اہل آسمان کو ہلاک شدہ مان لو۔ انہوں نے نجوم دیکھا تو ستارے سب اپنی مقررہ جگہ پر نظر آئے تب انہیں چین آیا۔ شیاطین میں بھی بھاگ دوڑ مچ گئی' یہ ابلیس کے پاس آئے واقعہ کہہ سنایا تو ابلیس نے کہا میرے پاس ہر ہر علاقے کی مٹی لاؤ' لائی گئی اس نے سونگھی اور سونگھ کر بتایا کہ اس کا باعث

مکہ میں ہے' سات جنات نصیبین کے رہنے والے مکہ پہنچے یہاں حضور علیہ السلام مسجد حرام میں نماز پڑھا رہے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر ان کے دل نرم ہو گئے۔ بہت ہی قریب ہو کر قرآن سنا پھر اس کے اثر سے مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم کو بھی دعوت اسلام دی۔ الحمدللہ ہم نے اس تمام واقعہ کو پورا پورا اپنی کتاب السیرت میں حضور کی نبوت کے آغاز کے بیان میں لکھا ہے واللہ اعلم۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۝ۙ۱۱
وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝ۙ۱۲

اور یہ کہ بے شک بعض تو ہم میں نیک کار ہیں اور بعض اس کے سوا بھی ہیں۔ ہم مختلف ہیں ○ ہمیں یقین کامل ہو گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں ○

جنات میں بھی کافر اور مسلمان موجود ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۲) جنات اپنی قوم کا اختلاف بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم میں نیک کار ہیں بھی اور نہیں بھی ہیں' ہم مختلف راہوں پر لگے ہوئے تھے۔ حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جن ہمارے پاس آیا کرتا تھا میں نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ تمام کھانوں میں سے تمہیں کون سا کھانا پسند ہے؟ اس نے کہا چاول۔ میں نے لا دیئے تو دیکھا کہ لقمہ برابر اٹھ رہا ہے لیکن کھانے والا کوئی نظر نہیں آتا' میں نے پوچھا جو خواہشات ہم میں ہیں کیا تم میں بھی ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے پھر پوچھا کہ رافضی تم میں کیسے گنے جاتے ہیں؟ کہا بدترین۔ حافظ ابو الحجاج مزی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ ابن عساکر میں ہے حضرت عباس بن احمد دمشقی فرماتے ہیں میں نے رات کے وقت ایک جن کو اشعار میں یہ کہتے سنا کہ دلوں کو محبت خدا نے پر کر دیا ہے یہاں تک کہ مشرق و مغرب میں اس کی جڑیں جم گئی ہیں اور وہ حیران و پریشان ادھر ادھر خدا کی محبت میں پھر رہے ہیں جو ان کا رب ہے۔ انہوں نے مخلوق سے تعلقات کاٹ کر اپنے تعلقات اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر لئے ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں ہمیں معلوم ہو چکا کہ خدا کی قدرت ہم پر حاکم ہے' ہم اس سے نہ بھاگ کر بچ سکیں نہ کسی اور طرح اسے عاجز کر سکیں۔ اب فخریہ کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت نامے کو سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے۔ فی الواقع ہے بھی یہ فخر کا مقام۔ اس سے زیادہ شرف اور فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ رب کا کلام فوری اثر کرے۔

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝ۙ۱۳ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝۱۴ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ۙ۱۵ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَي الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاۗءً غَدَقًا ۝ۙ۱۶ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝ۙ۱۷

ہم تو ہدایت سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے اسے نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہے نہ ظلم و ستم کا ○ ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض

بے انصاف ہیں پس جو مسلمان ہو گئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا ○ اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے ○ اور (اے نبی! یہ بھی کہہ دو) کہ اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت کچھ وافر پانی پلاتے ○ تا کہ ہم اس میں انہیں آزما لیں اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا ○

(آیت: ۱۳-۱۷) پھر کہتے ہیں مومن کے نہ تو عمل نیک ضائع ہوں نہ اس پر خواہ مخواہ کی برائیاں لادی جائیں۔ جیسے اور جگہ ہے فَلَا یَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا یعنی نیک کار مومن کو ظلم و نقصان کا ڈر نہیں۔ پھر کہتے ہیں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض حق سے ہٹے ہوئے عدل کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ مسلمان نجات کے متلاشی ہیں اور ظالم جہنم کی لکڑیاں ہیں۔ اس کے بعد کی آیت وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا الخ' کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر تمام لوگ اسلام پر اور راہ راست پر اور اطاعت خدا پر جم جاتے تو ہم ان پر بکثرت بارشیں برساتے اور خوب وسعت سے روزیاں دیتے۔ جیسے اور جگہ ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰتَهَ یعنی اگر یہ توراۃ و انجیل اور آسمانی کتابوں پر سیدھے اترتے تو انہیں آسمان و زمین سے روزیاں ملتیں۔ اور فرمان ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ الخ' یعنی اگر بستی والے ایمان لاتے' متقی بن جاتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے' یہ اس لئے کہ ان کی پختہ جانچ ہو جائے کہ ہدایت پر کون جما رہتا ہے اور کون پھر سے گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں اتری ہے جبکہ ان پر سات سال کا قحط پڑا تھا۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ سب کے سب گمراہی پر جم جاتے تو ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے تا کہ یہ خوب مست ہو جائیں اور اللہ کو بالکل بھول جائیں اور بدترین سزاؤں کے قابل ہو جائیں۔ جیسے فرمان باری ہے فَلَمَّا نَسُوْا الخ' یعنی جب وہ نصیحتیں بھلا بیٹھے تو ہم نے بھی ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے جس سے وہ مست بن گئے کہ ناگہاں ہم نے انہیں پکڑ لیا اور وہ مایوس ہو گئے۔ اسی طرح کی آیت اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے جو بھی اپنے رب کے ذکر سے بے پرواہی برتے' اس کا رب اسے دردناک' سخت اور مہلک عذابوں میں مبتلا کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صعد جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں جہنم کے ایک کنویں کا نام ہے۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ
عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا
رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾
قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ
مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا
يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کی ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو ○ اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر جھک پڑیں ○ تو کہہ دے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ○ تو کہہ دے کہ مجھے تمہارے کسی نقصان و نفع کا اختیار

نہیں ○ کہہ دے کہ مجھے ہرگز ہرگز کوئی اس سے بچا نہیں سکتا اور ہرگز بھی میں اس کے سوائے کوئی جائے پناہ پا نہیں سکتا ○ میں تو صرف اللہ کی طرف سے پہنچا دیتا اور اس کا پیغام سنا دیتا ہوں۔ اب جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نہ مانے گا اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا ○ (ان کی آنکھ نہ کھلے گی) یہاں تک کہ اسے دیکھ لیں جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں پس عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے ○

آداب سجدہ اور جنات کا اسلام لانا: ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۴) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کی جگہوں کو شرک سے پاک رکھیں، وہاں کسی دوسرے کا نام نہ پکاریں نہ کسی اور کو اللہ کی عبادت میں شریک کریں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اپنے گرجوں اور کلیسوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے تھے تو اس امت کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ نبی بھی اور امت بھی سب توحید والے رہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس آیت کے نزول کے وقت صرف مسجد اقصیٰ تھی اور مسجد حرام۔ حضرت اعمش نے اس آیت کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جنات نے حضور علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ آپ کی مسجد میں اور انسانوں کے ساتھ نماز ادا کریں گویا ان سے کہا جا رہا ہے کہ نماز پڑھو لیکن انسانوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں جنوں نے حضورؐ سے کہا کہ ہم تو دور دراز رہتے ہیں نمازوں میں آپ کی مسجد میں کیسے پہنچیں گے؟ تو انہیں کہا جاتا ہے کہ مقصود نماز کا ادا کرنا اور صرف اللہ ہی کی عبادت بجا لانا ہے، خواہ کہیں ہو۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں یہ آیت عام ہے تمام مساجد کو شامل ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اعضاء سجدہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی جن اعضاء پر تم سجدہ کرتے ہو وہ سب اللہ ہی کے ہیں پس تم پر ان اعضاء سے دوسرے کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم کیا گیا ہے پیشانی اور ہاتھ کے اشارے سے ناک کو بھی اس میں شامل کر لیا اور دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پنجے۔ آیت لما قام کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جنات نے جب حضورؐ کی زبانی تلاوت قرآن سنی تو اس طرح آگے بڑھ بڑھ کر جھکنے لگے کہ گویا ایک دوسرے کے سروں پر چڑھے چلے جاتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنات اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ حضورؐ کے اصحاب کی اطاعت و چاہت کی حالت یہ ہے کہ جب حضورؐ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں اور اصحاب پیچھے ہوتے ہیں تو برابر اطاعت و اقتدار میں آخر تک مشغول رہتے ہیں گویا ایک حلقہ ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اللہ کی توحید کا اعلان لوگوں میں کرتے ہیں تو کافر لوگ دانت چبا چبا کر الجھ جاتے ہیں، جنات و انسان مل جاتے ہیں کہ اس امر دین کو مٹا دیں اور اس کی روشنی کو چھپا لیں مگر اللہ کا ارادہ اس کے خلاف ہو چکا ہے۔

میں تو کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں: ☆☆ یہ تیسرا قول ہی زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ میں تو صرف اپنے رب کا نام جپتا ہوں اور کسی اور کی عبادت نہیں کرتا۔ یعنی جب دعوت حق اور توحید کی آواز ان کے کان میں پڑی جو مدتوں سے غیر مانوس ہو چکی تھی تو ان کفار نے ایذا رسانی، مخالفت اور تکذیب پر کمر باندھ لی اور حق کو مٹا دینا چاہا اور رسول کی عداوت پر اجماع کر لیا، اس وقت ان سے رسولؐ نے کہا کہ میں تو اپنے پالنے والے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت میں مشغول ہوں، میں اسی کی پناہ میں ہوں، اسی پر میرا توکل ہے، وہ ہی میرا سہارا ہے، مجھ سے یہ توقع ہرگز نہ رکھو کہ میں کسی اور کے سامنے جھکوں یا اس کی پرستش کروں، میں تم جیسا انسان ہوں، تمہارے نفع و نقصان کا مالک میں نہیں ہوں میں تو اللہ تعالیٰ کا ایک غلام ہوں، اللہ کے بندوں میں سے ایک ہوں، تمہاری ہدایت و ضلالت کا مختار و مالک میں نہیں، سب چیزیں اللہ کے قبضے میں ہیں میں تو صرف پیغام رساں ہوں اگر میں خود بھی خدا کی معصیت

کروں تو قطعاً خدا مجھے معاف کرے گا اور کسی سے نہ ہو سکے گا کہ مجھے بچالے مجھے کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نظر ہی نہیں آتی، میری حیثیت صرف مبلغ اور رسول کی ہے۔ بعض تو کہتے ہیں اِلَّا کا استثنا لَآ اَمۡلِكُ سے ہے یعنی میں نفع ونقصان ہدایت ضلالت کا مالک نہیں میں تو صرف تبلیغ کرنے والا پیغام پہنچانے والا ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ لَنۡ یُّجِیۡرَنِیۡ سے یہ استثناء ہو یعنی خدا کے عذابوں سے مجھے صرف میری رسالت کی ادائیگی ہی بچا سکتی ہے۔ جیسے اور جگہ ہے یَآ اَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الخ، یعنی اے رسول! تیری طرف جو تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسے پہنچادے اور اگر تو نے یہ نہ کیا تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچالے گا۔ نافرمانوں کے لئے ہمیشگی والی جہنم کی آگ ہے جس میں سے نہ نکل سکیں نہ بھاگ سکیں۔ جب یہ مشرکین جن وانس قیامت والے دن ڈراؤنے عذابوں کو دیکھ لیں گے، اس وقت کھل جائے گا کہ کمزور مددگاروں والا اور بے وقعت گنتی والا کون تھا؟ یعنی مومن موحد یا یہ مشرک۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرکوں کا برائے نام بھی کوئی مدد کرنے والا اس دن نہ ہوگا اور خدائی لشکروں کے مقابلہ پر ان کی گنتی بھی گویا کچھ نہ ہوگی۔

قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَهٗ رَبِّیۡۤ
اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی
مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّهٗ یَسۡلُكُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَ مِنۡ خَلۡفِهٖ
رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمۡ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیۡهِمۡ
وَ اَحۡصٰی كُلَّ شَیۡءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع ۱۹

کہہ دے کہ مجھے نہیں معلوم کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لئے دور کی مدت مقرر کردے ○ وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ○ سوا اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرلے تو بے شک اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے ○ اس لئے کہ ان کا اپنے رب کے پیغام پہنچادینے کا علم ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے ان کے آس پاس کی تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کی گنتی کا شمار کر رکھا ہے ○

اللہ کے سوا، قیامت کب ہوگی کسی کو معلوم نہیں: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۸) اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں سے کہہ دیں کہ قیامت کب ہوگی اس کا علم مجھے نہیں بلکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا وقت قریب ہے یا دور ہے اور لمبی مدت کے بعد آنے والی ہے اس آیہ کریمہ میں دلیل ہے۔ اس امر کی کہ اکثر جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین کے اندر کی چیزوں کا بھی علم رکھتے ہیں، وہ بالکل غلط ہے، اس روایت کی کوئی اصل نہیں محض جھوٹ ہے اور بالکل بے اصل روایت ہے، ہم نے تو اسے کسی کتاب میں نہیں پایا ہاں اس کے خلاف صاف ثابت ہے۔ حضور ﷺ سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت پوچھا جاتا تھا اور آپ اس کے معین وقت سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے تھے، اعرابی کی صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی آ کر جب قیامت کے بارے سوال کیا تھا تو آپ نے صاف فرمایا تھا کہ اس کا علم پوچھنے والے کو ہے نہ اسے جس سے پوچھا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک دیہات کے رہنے والے نے باآواز بلند آپ سے دریافت کیا کہ حضور قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا وہ آئے گی ضرور، یہ بتا کہ تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا میرے پاس روزے نماز کی کثرت تو نہیں البتہ رسول اللہ کی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا پھر تو اس کے ساتھ ہوگا جس کی تجھے محبت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مسلمان کسی

حدیث سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے اس حدیث سے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قیامت کا ٹھیک وقت آپ کو معلوم نہ تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اے لوگو! اگر تم میں علم ہے تو اپنے تئیں مردوں میں شمار کیا کرو' خدا کی قسم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ایک وقت آنے والی ہے' یہاں بھی آپ کوئی مقررہ وقت نہیں بتلاتے۔ ابوداؤد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو کیا عجب کہ آدھے دن تک کی مہلت دے دے اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ حضرت سعد سے پوچھا گیا کہ آدھے دن سے کیا مراد ہے فرمایا پانچ سو سال۔

اللہ ہی عالم الغیب ہے: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جسے چن لے جیسے اور جگہ ہے وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ یعنی اس کے علم میں سے کسی چیز کو نہیں گھیر سکتے مگر جو اللہ چاہے۔ یعنی رسول خواہ انسانوں میں سے ہوں خواہ فرشتوں میں سے ہوں جس قدر اللہ جتنا چاہتا ہے بتلا دیتا ہے بس وہ اتنا ہی جانتے ہیں۔ پھر اس کی مزید تخصیص یہ ہوتی ہے کہ اس کی حفاظت اور ساتھ ہی اس علم کی اشاعت کے لئے جو اللہ نے اسے دیا ہے اس کے آس پاس ہر وقت نگہبان فرشتے مقرر رہتے ہیں۔ لِيَعْلَمَ کی ضمیر بعض نے تو کہا ہے کہ نبی ﷺ کی طرف ہے یعنی حضرت جبرئیل کے آگے پیچھے چار چار فرشتے ہوتے تھے تا کہ حضورؐ کو یقین آ جائے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام صحیح طور پر مجھے پہنچایا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں مرجع ضمیر کا اہل شرک ہے یعنی باری باری آنے والے فرشتے نبی اللہ کی حفاظت کرتے ہیں شیطان سے اور اس کی ذریات سے تا کہ اہل شرک جان لیں کہ رسولوں نے رسالت خدا ادا کر دی یعنی رسولوں کو جھٹلانے والے بھی رسولوں کی رسالت کو جان لیں مگر اس میں ذرا نظر ہے۔ یعقوب کی قرأت پیش کے ساتھ ہے یعنی لوگ جان لیں کہ رسولوں نے تبلیغ کر دی اور ممکن ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ جان لے یعنی وہ اپنے رسولوں کی اپنے فرشتے بھیج کر حفاظت کرتا ہے تا کہ وہ رسالت ادا کر سکیں اور وحی الٰہی محفوظ رکھ سکیں اور اللہ تعالیٰ جان لے کہ انہوں نے رسالت ادا کر دی۔

جیسے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا یعنی جس قبلے پر تو تھا اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم رسول کے سچے تابعداروں اور مرتدوں کو جان لیں۔ ایک اور جگہ ہے وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور منافقوں کو برابر جان لے گا اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی سے جانتا ہے لیکن اسے ظاہر کر کے بھی جان لیتا ہے' اسی لئے یہاں اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہر چیز اور سب کی گنتی اللہ کے علم کے احاطہ میں ہے۔ الحمدللہ سورۂ جن کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

تفسیر سورة المزمل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝۳ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۵ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝۶

اللہ تعالیٰ بہت بڑے بخشنے والے اور بہت زیادہ رحم کرنے والے کے نام سے شروع O

اے جھرمٹ مار کر کپڑے اوڑھنے والے O رات کو تہجد پڑھا کر مگر تھوڑی رات O آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لے O یا اس پر بڑھا دے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھا کر O یقیناً ہم تجھ پر بہت بھاری بات عنقریب نازل کریں گے O بے شک رات کا اٹھنا نفس کو خوب کچل دیتا ہے اور بات کو بہت

درست کر دیتا ہے ○

''مزمل'' کا مفہوم: ☆☆ بزار میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قریش دارالندوہ میں جمع ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ آؤ مل کر آنحضرت ﷺ کا ایک ایسا نام تجویز کریں کہ سب کی زبان سے وہی نکلے تاکہ باہر کے لوگ ایک ہی آواز سن کر جائیں' تو بعضوں نے کہا ان کا نام کاہن رکھو' اس پر اوروں نے کہا درحقیقت وہ کاہن تو نہیں' کہا اچھا پھر ان کا نام مجنون رکھو' اس پر بھی اوروں نے کہا کہ وہ مجنون بھی نہیں' پھر بعضوں نے کہا ساحر نام رکھو اس پر اور لوگوں نے کہا وہ ساحر یعنی جادوگر بھی نہیں' غرض وہ کوئی ایسا نام تجویز نہ کر سکے جس پر سب کا اتفاق ہو اور یہ مجمع یوں ہی اٹھ کھڑا ہوا آنحضرت ﷺ یہ خبر سن کر منہ لپیٹ کر کپڑا اوڑھ کر لیٹ رہے۔ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور اسی طرح یعنی اے کپڑا لپیٹ کر اوڑھنے والے! کہہ کر آپ کو مخاطب کیا اس روایت کے ایک راوی معلّیٰ بن عبدالرحمٰن سے گو اہل علم کی جماعت روایت لیتی ہے اور اس سے حدیثیں نقل کرتے ہیں لیکن ان کی روایتوں میں بہت سی ایسی حدیثیں بھی ہیں جن پر ان کی متابعت نہیں کی جاتی۔

رسول اللہ کو قیام اللیل اور ترتیل قرآن کا حکم: ☆☆ (آیت:۱-۶) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ راتوں کے وقت کپڑے لپیٹ کر سو رہنے کو چھوڑیں اور تہجد کی نماز کے قیام کو اختیار کر لیں۔ جیسے فرمان ہے تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ان کی کروٹیں بستروں سے الگ ہوتی ہیں اور اپنے رب کو خوف اور لالچ سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں حضورؐ پوری عمر اس حکم کی بجا آوری کرتے رہے' تہجد کی نماز صرف آپ پر واجب تھی یعنی امت پر واجب نہیں ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ الخ' راتوں کو تہجد پڑھا کر' یہ حکم صرف تجھے ہے تیرا رب تجھے مقام محمود میں پہنچانے والا ہے۔ یہاں اس حکم کے ساتھ ہی مقدار بھی بیان فرما دی کہ آدھی رات یا کچھ کم و بیش۔

مزمل کے معنی سونے والے اور کپڑا لپیٹنے والے کے ہیں' اس وقت حضورؐ اپنی چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اے قرآن کے اچھی طرح لینے والے! تو آدھی رات تک تہجد میں مشغول رہا کر یا کچھ بڑھا گھٹا دیا کر اور قرآن شریف کو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کر تاکہ خوب سمجھتا جائے' اس حکم کے بھی حضور عامل تھے۔ حضرت صدیقہؓ کا بیان ہے کہ آپ قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے جس سے بڑی دیر میں سورت ختم ہوتی تھی گویا چھوٹی سی سورت بڑی سے بڑی ہو جاتی تھی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کا وصف پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں خوب مد کر کے حضورؐ پڑھا کرتے تھے پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر سنائی جس میں لفظ اللہ پر لفظ رحمان پر لفظ رحیم پر مد کیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہر ہر آیت پر آپ پورا پورا وقف کرتے تھے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر وقف کرتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھ کر وقف کرتے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر وقف کرتے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پڑھ کر ٹھہرتے۔ یہ حدیث مسند احمد' ابوداؤد اور ترمذی میں ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ قرآن کے قاری سے قیامت والے دن کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھ جیسے دنیا میں ترتیل سے پڑھا کرتا تھا' تیرا درجہ وہ ہے جہاں تیری آخری آیت ختم ہو۔ یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ہم نے اس تفسیر کے شروع میں وہ احادیث وارد کر دی ہیں جو ترتیل کے مستحب ہونے اور اچھی آواز سے قرآن پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں جیسے وہ حدیث جس میں ہے کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو

اور ہم میں سے وہ نہیں جو خوش آوازی سے قرآن نہ پڑھے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت حضور کا یہ فرمانا کہ اسے آل داؤد کی خوش آوازی عطا کی گئی ہے اور حضرت ابوموسیٰ کا فرمانا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اور اچھے گلے سے زیادہ عمدگی کے ساتھ پڑھتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان کہ ریت کی طرح قرآن کو نہ پھیلاؤ اور شعروں کی طرح قرآن کو بے تہذیبی سے نہ پڑھو اس کے عجائب پر غور کرو اور دلوں میں اثر لیتے جاؤ اور اس کے پیچھے نہ پڑ جاؤ کہ جلد سورت ختم ہو (بغوی)۔

ایک شخص آ کر حضرت ابن مسعودؓ سے کہتا ہے میں نے مفصل کی تمام سورتیں آج کی رات ایک ہی رکعت میں پڑھ ڈالیں۔ آپ نے فرمایا پھر تو تو نے شعروں کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا مجھے وہ برابر برابر کی سورتیں خوب یاد ہیں جنہیں رسول کریم ﷺ ملا کر پڑھا کرتے تھے پھر مفصل کی سورتوں میں سے بیس سورتوں کے نام لئے کہ ان میں سے دو دو سورتیں حضورؐ ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے ہم تجھ پر عنقریب بھاری بوجھل بات اتاریں گے یعنی عمل میں ثقیل ہوگی اور اترتے وقت بوجہ اپنی عظمت کے گراں قدر ہوگی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر وحی اتری اس وقت آپ کا گھٹنا میرے گھٹنے پر تھا وحی کا اتنا بوجھ پڑا کہ میں تو ڈرنے لگا کہ میری ران کہیں ٹوٹ نہ جائے۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وحی کا احساس بھی آپ کو ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا میں ایسی آواز سنتا ہوں جیسے کسی زنجیر کے بجنے کی آواز ہو میں چپکا ہو جاتا ہوں، جب بھی وحی نازل ہوتی ہے مجھ پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میری جان نکل جائے گی۔ صحیح بخاری شریف کے شروع میں ہے حضرت حارث بن ہشامؓ پوچھتے ہیں یارسول اللہ! آپ کے اوپر وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی ہے جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے اور وہ گن گناہٹ کی آواز ختم ہو جاتی ہے تو اس میں جو کچھ کہا گیا وہ مجھے خوب محفوظ ہو جاتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں میں نے دیکھا ہے کہ سخت جاڑے والے دن میں بھی جب آپ پر وحی اتر چکتی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکتے۔ مسند احمد میں ہے کہ کبھی اونٹنی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے اور اسی حالت میں وحی آتی تو اونٹنی جھک جاتی۔ ابن جریر میں یہ بھی ہے کہ پھر جب تک وحی ختم نہ ہو لے اونٹنی سے قدم نہ اٹھایا جاتا نہ اس کی گردن اونچی ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ خود وحی کا اترنا بھی اہم اور بوجھل تھا پھر احکام کا بجا لانا اور ان کا عامل ہونا بھی ایسا ہی تھا۔ یہی قول حضرت امام ابن جریرؒ کا ہے۔ حضرت عبدالرحمنؒ سے منقول ہے کہ جس طرح دنیا میں یہ ثقیل کام ہے اسی طرح آخرت میں اجر بھی بڑا بھاری ملے گا۔

رات کا اٹھنا نفس کی درستگی: پھر فرماتا ہے رات کا اٹھنا نفس کو زیر کرنے کے لئے اور زبان کو درست کرنے کے لئے اکسیر ہے۔ نشاء کے معنی حبشی زبان میں قیام کرنے کے ہیں، رات بھر میں جب اٹھے اسے نَاشِئَةَ الَّيۡلِ کہتے ہیں۔ تہجد کی نماز کی خوبی یہ ہے کہ دل اور زبان ایک ہو جاتا ہے اور تلاوت کے جو الفاظ زبان سے نکلتے ہیں دل میں گڑ جاتے ہیں اور بہ نسبت دن کے رات کی تنہائی میں معنی خوب ذہن نشین ہوتا جاتا ہے کیونکہ دن بھیڑ بھاڑ کا، شور وغل کا، کمائی دھندے کا وقت ہوتا ہے۔ حضرت انس نے اَقۡوَمُ قِيۡلًا کو اَصۡوَبُ قِيۡلًا پڑھا تو لوگوں نے کہا ہم تو اقوم پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اَصۡوَبُ اَقۡوَمُ اَهۡيَأُ اور ان جیسے سب الفاظ ہم معنی ہیں۔

اِنَّ لَكَ فِى النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًا ۞ وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلًا ۞ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ وَكِيۡلًا ۞

یقیناً تجھے دن میں بہت شغل رہتا ہے O تو اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور تمام خلائق سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جا O مشرق و مغرب کا پروردگار جس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اس کو اپنا کارساز بنا لے O

(آیت: ۷-۹) پھر فرماتا ہے دن میں تجھے بہت فراغت ہے نیند کر سکتے ہو سو بیٹھ سکتے ہو راحت حاصل کر سکتے ہو نوافل بہ کثرت ادا کر سکتے ہو اپنے کام کاج دنیوی پورے کر سکتے ہو پھر رات کو آخرت کے کام کے لئے خاص کر لو۔ اس بنا پر یہ حکم اس وقت تھا جب رات کی نماز فرض تھی پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کیا اور بطور تخفیف کے اس میں کمی کر دی اور فرمایا تھوڑی سی رات کا قیام کرو۔ اس فرمان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ نے اِنَّ رَبَّكَ سے فَاقۡرَءُ وا مَا تَيَسَّرَ مِنۡهُ تک پڑھا اور آیت وَمِنَ الَّيۡلِ کی بھی تلاوت کی آپ کا یہ قول ہے بھی ٹھیک۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت سعید بن ہشام نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور مدینہ کی طرف چلے تا کہ وہاں کے اپنے مکانات بیچ ڈالیں اور ان کی قیمت سے ہتھیار وغیرہ خرید کر جہاد میں جائیں اور رومیوں سے لڑتے رہیں یہاں تک کہ یا تو روم فتح ہو یا شہادت ملے مدینہ شریف میں اپنی قوم والوں سے ملے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے کہا سنو رسول اللہ ﷺ کی حیات میں آپ ہی کی قوم میں سے چھ شخصوں نے بھی ارادہ کیا تھا کہ عورتوں کو طلاق دے دیں مکانات وغیرہ بیچ ڈالیں اور راہ للہ کھڑے ہو جائیں۔ حضورؐ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا کیا جس طرح میں کرتا ہوں اس طرح نہ کرنے میں تمہارے لئے اچھائی نہیں ہے؟ خبردار ایسا نہ کرنا اپنے اس ارادے سے باز آ جاؤ یہ حدیث سن کر حضرت سعدؓ نے بھی اپنا ارادہ ترک کیا اور وہیں اسی جماعت سے کہا کہ تم گواہ رہنا میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔

اب حضرت سعد رضی اللہ عنہ چلے گئے پھر جب اس جماعت سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ یہاں سے جانے کے بعد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے آنحضرت ﷺ کے وتر پڑھنے کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے کہا اس مسئلے کو سب سے زیادہ بہتر طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتلا سکتی ہیں تم وہیں جاؤ اور مائی صاحبہ ہی سے دریافت کرو اور مائی صاحبہ سے جو سنو وہ ذرا مجھ سے کہہ جانا۔ میں حضرت حکیم بن افلح کے پاس گیا اور ان سے میں نے کہا تم مجھے ام المومنین کی خدمت میں لے چلو انہوں نے فرمایا میں وہاں نہیں جاؤں گا اس لئے کہ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ ان دونوں آپس میں لڑنے والی جماعتوں یعنی حضرت علی اور ان کے مقابلین کے بارے میں آپ کچھ دخل نہ دیجئے لیکن انہوں نے نہ مانا اور دخل دیا۔ میں نے انہیں قسم دی اور کہا کہ نہیں آپ مجھے ضرور وہاں لے چلئے خیر بمشکل تمام وہ راضی ہوئے اور میں ان کے ساتھ گیا مائی صاحبہ نے حضرت حکیم کی آواز پہچان لی اور کہا کیا حکیم ہے؟ جواب دیا گیا کہ ہاں حضور! میں حکیم بن افلح ہوں۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا سعد بن ہشام۔ پوچھا ہشام کون عامر کے لڑکے؟ کہا ہاں عامر کے لڑکے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عامر کے لئے دعائے رحمت کی اور فرمایا عامر بہت اچھا آدمی تھا خدا اس پر رحم کرے میں نے کہا ام المومنین مجھے بتلایئے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیا تھے؟ آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

میں نے کہا کیوں نہیں؟ فرمایا بس حضورؐ کا خلق قرآن تھا۔ اب میں نے اجازت مانگنے کا قصد کیا لیکن فوراً ہی یاد آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کا حال بھی دریافت کرلوں۔ اس سوال کے جواب میں مائی صاحبہ نے فرمایا کیا تم نے سورۂ مزمل نہیں پڑھی؟ میں نے کہاہاں پڑھی ہے۔

فرمایا سنو اس سورت کے اول حصے میں قیام اللیل فرض ہوا اور سال بھر تک حضورؐ اور آپ کے اصحاب تہجد کی نماز بطور فرضیت کے ادا کرتے رہے یہاں تک کہ قدموں پر ورم آ گیا' بارہ ماہ کے بعد اس سورت کے خاتمہ کی آیتیں اتریں اور اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی' فرضیت اٹھ گئی اور نفلیت باقی رہ گئی۔ میں نے پھر اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن خیال آیا کہ وتر کا مسئلہ بھی دریافت کرلوں تو میں نے کہا ام المومنین! حضور ﷺ کے وتر پڑھنے کی کیفیت سے بھی آگاہ فرمائیے۔ آپ نے فرمایا ہاں سنو ہم آپ کی مسواک وضو کا پانی وغیرہ تیار کر کے ایک طرف رکھ دیا کرتے تھے جب بھی اللہ تعالیٰ چاہتا اور آپ کی آنکھ کھلتی' اٹھتے' مسواک کرتے' وضو کرتے اور آٹھ رکعتیں پڑھتے' بیچ میں تشہد میں بالکل نہ بیٹھتے' آٹھویں رکعت پوری کر کے آپ التحیات میں بیٹھتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرتے' دعا کرتے اور بغیر سلام پھیرے نویں رکعت کے لیے کھڑے ہوتے پھر اس میں بھی التحیات میں اللہ کا ذکر اور دعا کرتے اور زور سے سلام پھیرتے کہ ہم بھی سن لیں پھر بیٹھے بیٹھے ہی دو رکعتیں اور ادا کرتے (اور ایک وتر پڑھتے) بیٹا یہ سب مل کر گیارہ رکعتیں ہوئیں اب جبکہ آپ عمر رسیدہ ہوئے اور بدن بھاری ہو گیا تو آپ نے سات وتر پڑھے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں ادا کیں بس بیٹا یہ نو رکعتیں ہوئیں اور حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی نماز کو پڑھتے تو پھر اس پر مداومت کرتے ہاں اگر کسی شغل یا نیند یا دکھ تکلیف اور بیماری کی وجہ سے رات کو نماز نہ پڑھ سکتے تو دن کو بارہ رکعت ادا فرمالیا کرتے' میں نہیں جانتی کہ کسی ایک رات میں رسول اللہ ﷺ نے پورا قرآن صبح تک پڑھا ہو اور نہ رمضان کے سوا کسی اور مہینے کے پورے روزے رکھے۔ اب میں ام المومنینؓ سے رخصت ہو کر ابن عباسؓ کے پاس آیا اور وہاں کے تمام سوال وجواب دہرائے۔ آپ نے سب کی تصدیق کی اور فرمایا اگر میری بھی آمد ورفت مائی صاحبہ کے پاس ہوتی تو جا کر خود اپنے کانوں سن آتا۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضورؐ کی نماز تہجد: ابن جریر میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نبی ﷺ کے لئے بوریا رکھ دیا کرتی جس پر آپ تہجد کی نماز پڑھتے' لوگوں نے کہیں یہ خبر سن لی اور رات کی نماز میں حضورؐ کی اقتدا کرنے کے لئے وہ بھی آ گئے' حضورؐ غضبناک ہو کر باہر نکلے چونکہ شفقت ورحمت آپ کو امت پر تھی اور ساتھ ہی ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو یہ نماز فرض ہو جائے آپ ان سے فرمانے لگے کہ لوگو! ان ہی اعمال کی تکلیف اٹھاؤ جن کی تم میں طاقت ہو' اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہ تھکے گا البتہ تم عمل کرنے سے تھک جاؤ گے' سب سے بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام ہو سکے۔ ادھر قرآن کریم میں یہ آیتیں اتریں اور صحابہ نے قیام اللیل شروع کیا یہاں تک کہ رسیاں باندھنے لگے کہ نیند نہ آ جائے۔ آٹھ مہینے اسی طرح گزر گئے ان کی اس کوشش کو جو وہ اللہ کی رضامندی کی طلب میں کر رہے تھے دیکھ کر اللہ نے بھی ان پر رحم کیا اور اسے فرض عشا کی طرف لوٹا دیا اور قیام اللیل چھوڑ دیا۔ یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی ہے لیکن اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ زبیدی ضعیف ہے۔ اصل حدیث بغیر سورۂ مزمل کے نازل ہونے کے ذکر کے صحیح میں بھی ہے اور اس حدیث کے الفاظ کی روانگی سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی حالانکہ دراصل یہ سورت مکہ شریف میں اتری ہے۔ اسی طرح اس روایت میں ہے کہ آٹھ مہینے کے بعد اس کی آخری آیتیں نازل ہوئیں' یہ قول بھی غریب ہے' صحیح وہی ہے جو بحوالہ مسند پہلے گزر چکا کہ سال بھر کے بعد آخری آیتیں نازل ہوئیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی ابن ابی حاتم میں منقول ہے کہ سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد صحابہ کرام مثل رمضان شریف کے قیام کے قیام کرتے رہے اور اس سورت کی اول آخر کی آیتوں کے اترنے میں تقریباً سال بھر کا فاصلہ تھا۔ حضرت ابو اسامہؓ سے بھی ابن جریر میں اس طرح مروی ہے۔

صحابہ اور تہجد: ☆☆ حضرت ابوعبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد صحابہ کرام نے سال بھر تک قیام کیا یہاں تک کہ ان کے قدم اور پنڈلیاں ورم کر گئیں پھر فَاقْرَءُ وْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ نازل ہوئی اور لوگوں نے راحت پائی۔ حسن بصریؒ اور سدیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن ابی حاتم میں یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سولہ مہینے کا فاصلہ مروی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ایک سال یا دو سال تک قیام کرتے رہے پنڈلیاں اور قدم سوجھ گئے پھر آخری سورت کی آیتیں اتریں اور تخفیف ہوگئی۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ دس سال کا فاصلہ بتاتے ہیں (ابن جریر)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت کے حکم کے مطابق ایمانداروں نے قیام اللیل شروع کیا لیکن بڑی مشقت پڑتی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا اور عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ سے مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ تک آیتیں نازل فرما کر وسعت کر دی اور تنگی نہ رکھی فَلَهُ الْحَمْدُ۔ پھر فرمان ہے اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہ اور اس کی عبادت کے لئے فارغ ہو جا یعنی امور دنیا سے فارغ ہو کر دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ بہ کثرت اس کا ذکر کر اس کی طرف مائل اور سراسر راغب ہو جا۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ یعنی جب اپنے شغل سے فارغ ہو تو ہماری عبادت محنت سے بجالاؤ۔ اخلاص، فارغ البالی، کوشش، محنت، دل لگی اور یکسوئی سے اللہ کی طرف جھک جاؤ۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے تبتل سے منع فرمایا یعنی بال بچے اور دنیا کو چھوڑ دینے سے، یہاں مطلب یہ ہے کہ علائق دنیوی سے کٹ کر اللہ کی عبادت میں توجہ اور انہماک کا وقت بھی ضرور نکالا کرو۔ وہ مالک ہے وہ متصرف ہے، مشرق مغرب سب اسی کے قبضہ میں ہے، اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں، تو جس طرح صرف اسی اللہ کی عبادت کرتا ہے اسی طرح صرف اسی پر بھروسہ بھی رکھ جیسے اور آیت میں ہے فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر، یہی مضمون اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں بھی ہے، اس معنی کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں کہ عبادت، اطاعت، توکل اور بھروسہ کے لائق ایک اسی کی پاک ذات ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَیْنَا اَنْكَالًا وَّجَحِیْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳﴾ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۭ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾

اور جو وہ کہیں تو سہتا رہ اور انہیں اچھی طرح چھوڑے رکھ ○ اور مجھے اور ان جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دے اور انہیں ذرا سی مہلت دے ○ یقیناً ہمارے ہاں سخت بیڑیاں ہیں اور سلگتی ہوئی جہنم ہے ○ اور حلق میں اٹکنے والا کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب ہے ○ جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرا جائیں گے اور

پہاڑ مثل بھربھری ریت کے ٹیلوں کے ہو جائیں گے ○ ہم نے تو تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول بھیج دیا جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا ○ فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی جس بنا پر ہم نے اسے سخت وبال کی پکڑ میں پکڑ لیا ○ تم اگر کافر رہے تو اس دن کیسے پناہ پاؤ گے جو دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ جس دن میں آسمان بھی پھٹ جائے گا' اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہو کر ہی رہنے والا ہے ○

نبی اکرم ﷺ کی حوصلہ افزائی: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۸) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کو کفار کی طعن آمیز باتوں پر صبر کرنے کہ ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان کے حال پر بغیر ڈانٹ ڈپٹ کے ہی چھوڑ دے' میں خود ان سے نمٹ لوں گا' میرے غضب اور غصے کے وقت دیکھ لوں گا کہ جو بے فکرے ہیں اور تجھے ستانے کے لئے باتیں بنا رہے ہیں' جن پر دوہرے حقوق ہیں' مال کے اور جان کے اور یہ ان میں سے ایک بھی ادا نہیں کرتے' تو ان سے بے تعلق ہو جا پھر دیکھ کہ میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں' تھوڑی دیر دنیا میں تو چاہے یہ فائدہ اٹھا لیں مگر انجام کار عذابوں میں پھنسیں گے اور عذاب بھی کون سے؟ سخت قید و بند کے اور بدترین بھڑکتی ہوئی' نہ بجھنے والی اور نہ کم ہونے والی آگ کے اور اس کھانے کے جو حلق میں جا کر اٹک جائے' نہ نگل سکیں نہ اگل سکیں اور بھی طرح طرح کے المناک عذاب ہوں گے' پھر وہ وقت بھی وہ ہو گا جب زمینوں میں اور پہاڑوں پر زلزلہ پڑا ہوا ہو گا اور سخت اور بڑی چٹانوں والے پہاڑ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چور چور ہو گئے ہوں گے جیسے بھربھری ریت کے بکھرے ہوئے ذرے ہوں جنہیں ہوا ادھر سے ادھر لے جائے گی اور نام ونشان تک مٹا دے گی اور زمین ایک چٹیل صاف میدان کی طرح رہ جائے گی جس میں کہیں اونچ نیچ نظر نہ آئے گی۔

اہل فرعون کی طرح نہ بنو: ☆☆ پھر فرماتا ہے اے لوگو اور خصوصاً اے کافرو! ہم نے تم پر گواہی دینے والا اپنا صادق رسول تم میں بھیج دیا ہے جیسے کہ فرعون کے پاس بھی ہم نے اپنے احکام کے پہنچا دینے کے لئے اپنے ایک رسول کو بھیجا تھا اس نے جب اس رسول کی نہ مانی تو تم جانتے ہو کہ ہم نے اسے بری طرح برباد کیا اور سختی سے پکڑ لیا۔ اسی طرح یاد رکھو اگر اسی نبی کی تم نے بھی نہ مانی تو تمہاری خیر نہیں' عذاب خدا تم پر بھی اتر آئیں گے اور تہس نہس کر دیئے جاؤ گے' کیونکہ یہ رسول رسولوں کے سردار ہیں' ان کے جھٹلانے کا وبال بھی اور وبالوں سے بڑا ہے۔ اس کے بعد کی آیت کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اگر تم نے کفر کیا تو بتاؤ تو سہی کہ اس دن کے عذابوں سے کیسے نجات حاصل کرو گے؟ جس دن کی ہیبت' خوف اور ڈر بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور دوسرے معنی یہ کہ اگر تم نے اتنے بڑے ہولناک دن کا بھی کفر کیا اور اس کے بھی منکر رہے تو تمہیں تقویٰ اور خدا کا ڈر کیسے حاصل ہو گا؟ گو یہ دونوں معنی نہایت عمدہ ہیں لیکن اول اولیٰ ہیں واللہ اعلم۔

جنتیوں اور جہنمیوں کی نسبت: ☆☆ طبرانی میں ہے رسول مقبول ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ قیامت کا دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا اٹھو اور اپنی اولاد میں سے جہنمیوں کو الگ الگ کرو' وہ پوچھیں گے خدایا! کتنی تعداد میں سے کتنے؟ حکم ہو گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے تو ہوش اڑ گئے اور گھبرا گئے حضور بھی ان کے چہرے دیکھ کر سمجھ گئے اور بطور تشفی کے فرمایا سنو! بنو آدم بہت سے ہیں' یاجوج ماجوج بھی اولاد آدم میں سے ہیں' جن میں سے ایک ایک اپنے پیچھے پیچھے خاص اپنی صلبی اولاد ایک ایک ہزار چھوڑ کر جاتا ہے پس ان میں اور ان جیسوں میں مل کر جہنمیوں کی یہ تعداد ہو جائے گی اور جنت تمہارے لئے اور تم جنت کے لئے ہو جاؤ گے۔ یہ حدیث غریب ہے اور سورۂ حج کی تفسیر کے شروع میں اس جیسی احادیث کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ اس دن کی ہیبت اور دہشت کے مارے آسمان بھی پھٹ جائے گا بعضوں نے ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف کیا ہے لیکن یہ قوی نہیں اس لئے کہ یہاں ذکر ہی نہیں' اس دن کا وعدہ یقیناً سچ ہے اور ہو کر ہی رہے گا' اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ
يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ
مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ
تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ
سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ
يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا
مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا
حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ
خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

بے شک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کرلے ○ تیرا رب بخوبی جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھ کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتے ہیں اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ کو ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تم اسے ہرگز نہ نبھا سکو گے پس اس نے تم پر مہربانی کی لہذا جتنا قرآن پڑھنا تم پر آسان ہو اتنا ہی پڑھو۔ وہ جانتا ہے کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی روزی بھی تلاش کریں گے اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے سو تم باآسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ کو اچھا قرض دو اور جو نیکی تم اپنے لئے آگے بھیج دو گے اسے اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

پیغام نصیحت وعبرت اور قیام اللیل: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۰) فرماتا ہے کہ یہ سورت عقل مندوں کے لئے سراسر نصیحت و عبرت ہے جو بھی طالب ہدایت ہو وہ مرضیٔ مولا سے ہدایت کا راستہ پالے گا اور اپنے رب کی طرف پہنچ جانے کا ذریعہ حاصل کرلے گا' جیسے دوسری سورت میں فرمایا وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا تمہاری چاہت کام نہیں آتی وہی ہوتا ہے جو اللہ کا چاہا ہوا ہو۔ صحیح علم والا اور پوری حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ کا اور آپ کے اصحاب کی ایک جماعت کا کبھی دو تہائی رات تک قیام میں مشغول رہنا کبھی آدھی رات اسی میں گزرنا' کبھی تہائی رات تک تہجد پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے گو تمہارا مقصد ٹھیک اس وقت کو پورا کرنا نہیں ہوتا اور ہے بھی وہ مشکل کام' کیونکہ رات دن کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو ہے۔ کبھی دونوں برابر ہوتے ہیں کبھی رات چھوٹی دن بڑا کبھی دن چھوٹا رات بڑی' اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کو بنانے کی طاقت تم میں نہیں۔ تو اب رات کی نماز اتنی ہی پڑھو جتنی تم باآسانی پڑھ سکو کوئی وقت مقرر نہیں کہ فرضاً اتنا وقت لگانا ہی ہوگا۔ یہاں صلوٰۃ کی تعبیر قرأت سے کی ہے جیسے سورۂ سبحان میں ہے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ یعنی اپنی قرأت نہ تو بہت بلند کر نہ بالکل پست کر۔

نماز میں سورۂ فاتحہ: ☆☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب نے اس آیت سے استدلال کر کے یہ مسئلہ کہا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ ہی کا

پڑھنا متعین نہیں اسے پڑھے خواہ اور کہیں سے پڑھ لے گو ایک ہی آیت پڑھے کافی ہے اور پھر اس مسئلہ کی مضبوطی اس حدیث سے کی ہے جس میں ہے کہ بہت جلدی جلدی نماز ادا کرنے والے کو حضور نے فرمایا تھا پھر پڑھ جو آسان ہو تیرے ساتھ قرآن سے (صحیحین)

یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے اور جمہور نے انہیں یہ جواب دیا ہے کہ صحیحین کی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی حدیث میں آچکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز نہیں ہے مگر یہ کہ تو سورۂ فاتحہ پڑھے اور صحیح مسلم شریف میں بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ بالکل ادھوری' محض ناکارہ' ناقص اور ناتمام ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں بھی ان ہی کی روایت سے ہے کہ حضور نے فرمایا کہ نماز نہیں ہوتی اس شخص کی جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے (پس ٹھیک قول جمہور کا ہی ہے کہ ہر نماز کی ہر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا لازمی اور متعین ہے)۔

مکے میں جہاد کی پیشین گوئی: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس امت میں عذر والے لوگ بھی ہیں جو قیام لیل کے ترک پر معذور ہیں مثلاً بیمار کہ جنہیں اس کی طاقت نہیں' مسافر کہ روزی کی تلاش میں ادھر ادھر جا رہے ہیں' مجاہد جو اہم تر شغل میں مشغول ہیں۔ یہ آیت بلکہ یہ پوری سورت مکی ہے' مکہ شریف میں نازل ہوئی' اس وقت جہاد نہیں تھا بلکہ مسلمان نہایت پست حالت میں تھے پھر غیب کی یہ خبر دینا اور اسی طرح ظہور میں بھی آنا کہ مسلمانوں کو جہاد میں پوری مشغولی ہوئی یہ نبوت کی اعلیٰ اور بہترین دلیل ہے تو ان عذروں کے باعث تمہیں رخصت دی جاتی ہے کہ جتنا قیام تم سے باآسانی کیا جا سکے کر لیا کرو۔

حضرت ابو رجاء محمد نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اے ابو سعید! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو پورے قرآن کا حافظ ہے لیکن تہجد نہیں پڑھتا صرف فرض نماز پڑھتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس نے قرآن کو تکیہ بنا لیا' اس پر خدا کی لعنت ہو' اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک غلام کے لئے فرمایا کہ وہ ہمارے علم کو جاننے والا ہے اور فرمایا تم وہ سکھائے گئے ہو جسے نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادے۔ میں نے کہا ابو سعید اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے جو قرآن آسانی سے تم پڑھ سکو پڑھو' فرمایا ہاں ٹھیک تو ہے پانچ آیتیں ہی پڑھ لو پس بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حافظ قرآن کا رات کی نماز میں کچھ نہ کچھ قیام کرنا امام حسن بصری کے نزدیک حق و واجب تھا۔ ایک حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا جو صبح تک سویا رہتا ہے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کے کان میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے' اس کا تو ایک تو یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عشاء کے فرض بھی نہ پڑھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو رات کو نفلی قیام نہ کرے۔ سنن کی حدیث میں ہے اے قرآن والو! وتر پڑھا کرو۔ دوسری روایت میں ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ حسن بصری کے قول سے بھی زیادہ غریب قول ابوبکر بن عبدالعزیز حنبلی کا ہے جو کہتے ہیں کہ رمضان کے مہینے کا قیام فرض ہے واللہ اعلم۔ (یہ یاد رہے کہ صحیح مسلک یہی ہے کہ تہجد کی نماز نہ تو رمضان میں واجب ہے نہ غیر رمضان میں' رمضان کی بابت بھی حدیث شریف میں صاف آچکا ہے وقیام لیلہ تطوعا یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے قیام کو نفلی قرار دیا ہے وغیرہ واللہ اعلم۔ مترجم) طبرانی کی حدیث میں اس آیت کی تفسیر میں بہت مرفوعاً مروی ہے کہ گو سو ہی آیتیں ہوں' لیکن یہ حدیث بہت غریب ہے' صرف معجم طبرانی میں ہی میں نے اسے دیکھا ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ فرض نمازوں کی حفاظت کرو اور فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کیا کرو' یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں فرضیت زکوٰۃ کا حکم مکہ شریف میں ہی نازل ہو چکا تھا ہاں کتنی نکالی جائے؟ نصاب کیا ہے؟ وغیرہ یہ سب مدینہ میں بیان ہوا۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباس' عکرمہ' مجاہد' حسن' قتادہ رحمہم اللہ عنہم وغیرہ سلف کا فرمان ہے کہ اس آیت نے اس سے پہلے کے حکم رات کے قیام کو

منسوخ کر دیا' ان دونوں حکموں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ اس میں جو اختلاف ہے اس کا بیان اوپر گزر چکا۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص سے فرمایا پانچ نمازیں دن رات میں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا اس کے سوا بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ آپؐ نے فرمایا باقی سب نوافل ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو یعنی راہ للہ صدقہ وخیرات کرتے رہو جس پر اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بہتر اور اعلیٰ اور پورا بدلہ دے گا' جیسے اور جگہ ہے ایسا کون ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے اور خدا اسے بہت کچھ بڑھائے چڑھائے۔ تم جو بھی نیکیاں کر کے بھیجو گے وہ تمہارے لئے اس چیز سے جسے تم اپنے پیچھے چھوڑ کر جاؤ گے بہت ہی بہتر اور اجر وثواب میں بہت ہی زیادہ ہے۔ ابو یعلیٰ موصلی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے ایک مرتبہ پوچھا تم میں سے ایسا کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ لوگوں نے کہا حضور ہم میں سے تو ایک بھی ایسا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اور سوچ لو۔ انہوں نے کہا حضورؐ یہی بات ہے۔ فرمایا سنو تمہارا مال وہ ہے جسے تم راہ للہ دے کر اپنے لئے آگے بھیج دو اور جو چھوڑ جاؤ گے وہ تمہارا مال نہیں وہ تو تمہارے وارثوں کا مال ہے۔ یہ حدیث بخاری شریف اور نسائی میں بھی مروی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ ذکر اللہ بکثرت کیا کرو اور اپنے تمام کاموں میں استغفار کیا کرو' جو استغفار کرے وہ مغفرت۔

تفسیر سورة المدثر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۙ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۭ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ يَوْمَىِٕذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾

اللہ تعالیٰ رحم ورحمت کرنے والے کے نام سے شروع

اے کپڑا اوڑھنے والے ○ کھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے ○ اور اپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کر ○ اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر ○ ناپاکی کو چھوڑ دے ○ اور احسان کر کے زیادتی کی خواہش نہ کر ○ اور اپنے رب کی راہ میں صبر کر ○ پس جب کہ صور پھونکا جائے گا ○ اس دن کا یہ وقت ایک سخت دن ہوگا ○ جو کافروں پر آسان نہ ہوگا ○

ابتدائے وحی: ☆☆ (آیت: ۱-۱۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی یہی آیت يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہوئی ہے لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ سب سے پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ کی آیتیں ہیں جیسے اسی سورت کی تفسیر کے موقع پر آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یحییٰ بن ابو کثیر فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے سوال کیا کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی کون سی آیتیں نازل ہوئیں؟ تو فرمایا يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ میں نے کہا لوگ تو اِقْرَاْ بِاسْمِ بتلاتے ہیں فرمایا میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا تھا انہوں نے وہی جواب دیا جو میں نے تمہیں دیا اور میں نے بھی وہی کہا جو تم نے مجھے کہا اس کے جواب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو تم سے وہی کہتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حراء میں یاد خدا کی' جب میں وہاں سے فارغ ہوا اور اترا تو

میں نے سنا کہ گویا مجھے کوئی آواز دے رہا ہے میں نے اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا تو میں نے سر اٹھا کر اوپر کو دیکھا اور مجھے نظر پڑا میں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا اور کہا مجھے چادر اڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کی آیتیں اتریں (بخاری)

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے وحی کے رک جانے کی حدیث بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں آسمان کی طرف سے مجھے آواز سنائی دی میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا کہ جو فرشتہ میرے پاس غار حرا میں آیا تھا وہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے میں مارے ڈر اور گھبراہٹ کے زمین کی طرف جھک گیا اور گھر آتے ہی کہا کہ مجھے کپڑوں سے ڈھک دو چنانچہ گھر والوں نے مجھے کپڑے اوڑھا دیئے اور سورۂ مدثر کی فَاھْجُرْ تک کی آیتیں اتریں۔ ابوسلمہ فرماتے ہیں رجز سے مراد بت ہیں۔ پھر وحی برابر تابڑ توڑ گرما گرمی سے آنے لگی۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور یہی سیاق محفوظ ہے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے بھی کوئی وحی آئی تھی کیونکہ آپ کا فرمان موجود ہے کہ یہ وہی تھا جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام جبکہ غار میں سورۂ اقرا کی آیتیں مَالَمْ یَعْلَمْ تک پڑھا گئے تھے پھر اس کے بعد وحی کچھ زمانہ تک نہ آئی پھر جو اس کی آمد شروع ہوئی تو اس میں سب سے پہلے وحی سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتیں تھیں اور اس طرح ان دونوں حدیثوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے کہ دراصل سب سے پہلی وحی تو اقرا کی آیتیں ہیں پھر وحی کے رک جانے کے بعد کی سب سے پہلی وحی اس سورت کی آیتیں ہیں۔ اس کی تائید مسند احمد وغیرہ کی حدیثوں سے بھی ہوتی ہے جن میں ہے کہ وحی رک جانے کے بعد کی پہلی وحی اس کی ابتدائی آیتیں ہیں۔

طبرانی میں اس سورت کا شان نزول یہ مروی ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریشیوں کی دعوت کی جب کھا پی چکے تو کہنے لگا بتاؤ تم اس شخص کی بابت کیا کہتے ہو؟ تو بعضوں نے کہا جادوگر ہے بعض نے کہا جادوگر نہیں ہے۔ بعض نے کہا کاہن ہے کسی نے کہا کاہن نہیں ہے بعض نے کہا شاعر ہے بعض نے کہا شاعر نہیں ہے بعض نے کہا اس کا یہ کلام یعنی قرآن منقول جادو ہے چنانچہ اس پر اجماع ہو گیا کہ اسے منقول جادو کہا جائے۔ حضور کو جب یہ اطلاع پہنچی تو غمگین ہوئے اور سر پر کپڑا ڈال لیا اور کپڑا اوڑھ بھی لیا جس پر یہ آیتیں فَاصْبِرْ تک اتریں۔

دعوت دین کے لوازمات: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ کھڑے ہو جاؤ یعنی عزم اور قوی ارادے کے ساتھ کمربستہ اور تیار ہو جاؤ اور لوگوں کو ہماری ذات سے جہنم سے ان کے بداعمال کی سزا سے ڈرادو ان کے کان کھڑے کر دو ان سے غفلت کو دور کر دو۔ پہلی وحی سے نبوۃ کے ساتھ حضور کو ممتاز کیا گیا اور اس وحی سے آپ رسول بنائے گئے اور اپنے رب ہی کی تعظیم کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو یعنی معصیت بدعہدی وعدہ شکنی وغیرہ سے بچتے رہو جیسے کہ شاعر کے شعر میں ہے کہ بحمد اللہ میں فسق و فجور کے لباس سے اور عذر کے رومال سے عاری ہوں۔ عربی محاورے میں یہ برابر آتا ہے کہ کپڑے پاک رکھو یعنی گناہ چھوڑ دو اعمال کی اصلاح کر لو۔ یہ بھی مطلب کہا گیا ہے کہ دراصل آپ نہ تو کاہن ہیں نہ جادوگر ہیں یہ لوگ کچھ ہی کہا کریں آپ پرواہ بھی نہ کریں۔ عربی محاورے میں جو معصیت آلود بدعہد ہو اسے میلے اور گندے کپڑوں والا اور جو عصمت مآب پابند وعدہ ہو اسے پاک کپڑوں والا کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔

اِذَا لَمْ رَاءٌ لَمْ یَدْنَسْ مِنَ اللُّؤْمِ عِرْضَهٗ فَکُلُّ رِدَآءٍ یَّرْتَدِیْهِ جَمِیْلٌ

یعنی انسان جبکہ سیہ کاریوں سے الگ ہے تو ہر کپڑے میں وہ حسین ہے اور یہ مطلب بھی ہے کہ غیر ضروری لباس نہ پہنو اپنے کپڑوں کو معصیت آلود نہ کرو۔ کپڑے پاک صاف رکھو میلوں کو دھو ڈالا کرو مشرکوں کی طرح اپنا لباس ناپاک نہ رکھو۔ دراصل یہ سب مطالب ٹھیک ہیں یہ بھی ہو وہ بھی ہو اور ساتھ ہی دل بھی پاک ہو۔ دل پر بھی کپڑے کا اطلاق کلام عرب میں پایا جاتا ہے۔ جیسے امرؤ القیس

کے شعر میں ہے اور حضرت سعید بن جبیر سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اپنے دل کو اور اپنی نیت کو صاف رکھو۔ محمد بن کعب قرظی اور حسن سے یہ بھی مروی ہے کہ اپنے اخلاق کو اچھے رکھو۔ گندگی کو چھوڑ دو یعنی بتوں کو اور نافرمانی خدا کو چھوڑ دو جیسے اور جگہ فرمان ہے یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ اے نبی! اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی نہ مانو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا اے ہارون! میرے بعد میری قوم میں تم میری جانشینی کرو اصلاح کے درپے رہو اور مفسدوں کی راہ نہ لگو۔

نیکی کر دریا میں ڈال: ☆☆ پھر فرماتا ہے عطیہ دے کر زیادتی کے خواہاں نہ رہو۔ ابن مسعود کی قرأت میں اَنْ تَسْتَکْثِرَ ہے یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اپنے نیک اعمال کا احسان اللہ تعالیٰ پر طلب کی کثرت سے تنگ نہ کرو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طلب خیر میں کمزوری نہ برتو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنی نبوت کا بار احسان لوگوں پر رکھ کر اس کے عوض دنیا طلبی نہ کرو۔ یہ چار قول ہوئے لیکن اول اولیٰ ہے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے ان کی ایذا پر جو راہ خدا میں تجھے پہنچے تو رب کی رضامندی کی خاطر صبر و سہار کر اللہ تعالیٰ نے جو تجھے منصب دیا ہے اس پر لگا رہ اور جمارہ۔ ناقور سے مراد صور ہے۔ مسند احمد ابن ابی حاتم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کیسے راحت سے رہوں؟ حالانکہ صور والے فرشتے نے اپنے منہ میں صور لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے ہوئے حکم الٰہی کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے۔ اصحاب رسول ﷺ نے کہا یا رسول اللہ! پھر ہمیں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا پس صور کے پھونکے جانے کا ذکر کر کے یہ فرما کر جب صور پھونکا جائے گا پھر فرماتا ہے کہ وہ دن اور وہ وقت کافروں پر بڑا سخت ہوگا' جو کسی طرح آسان نہ ہوگا جیسے اور جگہ خود کفار کا قول مروی ہے کہ یَقُوْلُ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ یہ آج کا دن تو بے حد گراں بار اور سخت مشکل کا دن ہے۔ حضرت زرارہ بن اوفیٰ رحمتہ اللہ علیہ جو بصرے کے قاضی تھے' وہ ایک مرتبہ اپنے مقتدیوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے' اسی سورت کی تلاوت تھی جب اس آیت پر پہنچے تو بے ساختہ زور کی ایک چیخ منہ سے نکل گئی اور گر پڑے۔ لوگوں نے دیکھا روح پرواز ہو چکی تھی' اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَہٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾
وَّبَنِیْنَ شُھُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَھَّدْتُّ لَہٗ تَمْھِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾

مجھے اور اسے چھوڑ دے جسے میں نے یکتا پیدا کیا ہے ○ اور اسے بہت سا مال دے رکھا ہے ○ اور حاضر باش فرزند بھی ○ اور میں نے اسے بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے ○ پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں ○

جہنم کی ایک وادی صعود اور ولید بن مغیرہ: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۵) جس خبیث شخص نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا اور قرآن کو انسانی قول کہا اس کی سزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے پہلے جو نعمتیں اس پر انعام ہوئی ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ تن تنہا خالی ہاتھ دنیا میں آیا تھا' مال واولاد یا اور کچھ ساتھ نہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے مالدار بنا دیا' ہزاروں لاکھوں دینار زر زمین وغیرہ عنایت فرمائی اور باعتبار بعض اقوال کے تیرہ اور بعض اور اقوال کے دس لڑکے دیئے جو سب کے سب اس کے پاس بیٹھے رہتے تھے' نوکر چاکر لونڈی غلام کام کاج کرتے رہتے اور یہ مزے سے اپنی زندگی اپنی اولاد کی ساتھ گزارتا۔ غرض دھن دولت لونڈی غلام بال بچے آرام آسائش ہر طرح کی مہیا تھی پھر بھی خواہش نفس پوری نہیں ہوتی تھی اور چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور بڑھا دے حالانکہ ایسا اب نہ ہوگا' یہ ہماری باتوں کے علم کے بعد کفر اور سرکشی کرتا ہے' اسے صعود پر چڑھایا جائے گا۔

كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ
وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ع۱۹
ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا
سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ
اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا
تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

نہیں نہیں وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے O میں تو اسے مشقت والی تکلیف پہنچاؤں گا O اس نے غور کر کے تجویز کی O اسے ہلاکت ہو کیسی سوچی O وہ پھر غارت ہو کس طرح اندازہ کیا O اس نے پھر دیکھا O اور ترش رو ہو کر منہ بنالیا O پھر پیچھے ہٹ گیا اور غرور کیا O اور کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے O یہ سوائے انسانی قول کے کچھ نہیں O میں اسے عنقریب دوزخ میں ڈالوں گا O اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے O نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے O کھال کو جھلسا دیتی ہے O اور اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں O

(آیت:۱۶-۳۰) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر گرایا جائے گا چالیس سال تک اندر ہی اندر جاتا رہے گا لیکن پھر بھی تہ تک نہ پہنچے گا اور صعود جہنم کے ایک ناری پہاڑ کا نام ہے جس پر کافر کو چڑھایا جائے گا' ستر سال تک تو چڑھتا ہی رہے گا پھر وہاں سے نیچے گرا دیا جائے گا' ستر سال تک نیچے لڑھکتا رہے گا اور اسی ابدی سزا میں گرفتار رہے گا' یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے غریب کہتے ہیں ساتھ ہی اس میں نکارت بھی ہے- ابن ابی حاتم میں ہے کہ صعود جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو آگ کا ہے اسے مجبور کیا جائے گا اس پر چڑھے' ہاتھ رکھتے ہی راکھ ہو جائے گا اور اٹھاتے ہی بدستور ہو جائے گا اسی طرح پاؤں بھی-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جہنم کی ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر اپنے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا- سدی کہتے ہیں یہ پتھر بڑا پھسلنا ہے- مجاہدؒ کہتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم اسے مشقت والا عذاب کریں گے- قتادہؒ فرماتے ہیں ایسا عذاب جس میں اور جس سے کبھی بھی راحت نہ ہو- امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں- پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اس تکلیف دہ عذاب سے اس لئے قریب کر دیا کہ وہ ایمان سے بہت دور تھا' وہ سوچ سوچ کر گھڑنت گھڑ رہا تھا کہ وہ قرآن کو کیا کہے اور بات بنائے۔ پھر اس پر افسوس کیا جاتا ہے اور محاورۂ عرب کے مطابق اس کی ہلاکت کے کلمے کہے جاتے ہیں کہ یہ غارت کر دیا جائے' یہ برباد کر دیا جائے' کتنا بد کلام سوچا اور کتنی بے حیائی کی جھوٹ بات گھڑ نکالی؟ بار بار کے غور و فکر کے بعد پیشانی پر بل ڈال ڈال کر منہ بگاڑ بگاڑ کر' حق سے ہٹ کر' بھلائی سے منہ موڑ موڑ کر اطاعت الٰہی سے پھیر کر دل کڑا کر کے صاف کہہ دیا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمد (ﷺ) اپنے سے پہلے لوگوں کا جادو کا منتر نقل کر لیا کرتے ہیں اور اسی کو سنا رہے ہیں' یہ کلام ربانی نہیں بلکہ انسانی قول ہے اور جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے۔ اس ملعون کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا' قریش کا سردار تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ ولید پلید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور خواہش ظاہر کی کہ آپ کچھ قرآن سنائیں' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چند آیتیں پڑھ سنائیں جو اس کے دل میں گھر کر گئیں جب یہاں سے نکلا اور کفار قریش کے مجمع میں پہنچا تو کہنے لگا لوگو! تعجب کی بات ہے حضرت محمد ﷺ جو قرآن پڑھتے ہیں اللہ کی قسم نہ تو وہ

شعر ہے نہ جادو کا منتر ہے نہ مجنونانہ بڑ ہے بلکہ واللہ وہ تو خاص اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے' اس میں کوئی شک نہیں۔ قریشیوں نے یہ سن کر پکڑ لیا اور کہنے لگے اگر یہ مسلمان ہو گیا تو بس پھر قریش میں سے ایک بھی بے اسلام لائے باقی نہ رہے گا۔ ابو جہل کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا گھبراؤ نہیں دیکھو میں ایک ترکیب سے اسے اسلام سے پھیر دوں گا۔ یہ کہتے ہی اپنے ذہن میں ایک ترکیب سوچ کر یہ ولید کے گھر پہنچا اور کہنے لگا آپ کی قوم نے آپ کے لئے چندہ کر کے بہت سا مال جمع کر لیا ہے اور وہ آپ کو صدقہ میں دینے والے ہیں۔ اس نے کہا واہ کیا مزے کی بات ہے مجھے ان کے چندوں اور صدقوں کی کیا ضرورت ہے' دنیا جانتی ہے کہ ان سب میں مجھ سے زیادہ مال واولا د والا کوئی نہیں۔ ابو جہل نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن لوگوں میں ایسی باتیں ہو رہی ہیں کہ آپ جو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے جاتے ہیں وہ صرف اس لئے کہ ان سے کچھ حاصل وصول ہو۔ ولید کہنے لگا اوہو! میرے خاندان میں میری نسبت یہ چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں' مجھے مطلق معلوم نہ تھا۔ اچھا اب قسم اللہ کی نہ میں ابو بکر کے پاس جاؤں نہ عمر کے پاس نہ رسول کے پاس اور وہ تو جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں یعنی ذَرۡنِیۡ سے لَا تَذَرُ تک۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اس نے کہا تھا قرآن کے بارے میں بہت کچھ غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شعر تو نہیں اس میں حلاوت ہے' اس میں چمک ہے' یہ غالب ہے مغلوب نہیں' لیکن ہے یقیناً جادو' اس پر یہ آیتیں اتریں۔ ابن جریر میں ہے کہ ولید حضور علیہ السلام کے پاس آیا تھا اور قرآن سن کر اس کا دل نرم پڑ گیا تھا اور پورا اثر ہو چکا تھا جب ابو جہل کو یہ معلوم ہوا تو دوڑا بھاگا آیا اور اس ڈر سے کہ کہیں یہ کھلم کھلا مسلمان نہ ہو جائے' اسے بھڑکانے کے لئے جھوٹ موٹ کہنے لگا کہ چچا آپ کی قوم آپ کے لئے مال جمع کرنا چاہتی ہے۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ آپ کو دین اور آپ کا محمد (ﷺ) کے پاس جانا چھڑوائیں کیونکہ آپ وہاں مال حاصل کرنے کی غرض سے ہی جاتے آتے ہیں۔ اس نے غصہ میں آ کر کہا میری قوم کو معلوم نہیں کہ میں ان سب سے زیادہ مالدار ہوں؟ ابو جہل نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن اس وقت تو لوگوں کا یہ خیال پختہ ہو گیا کہ محمد (ﷺ) سے مال حاصل کرنے کی غرض سے آپ اسی کے ہو گئے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے تو آپ اس کے بارے میں کچھ سخت الفاظ کہیں تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ آپ اس کے مخالف ہیں اور آپ کو اس سے کوئی طمع نہیں۔ اس نے کہا بھئی بات تو یہ ہے کہ اس نے جو قرآن مجھے سنایا ہے قسم ہے اللہ کی نہ وہ شعر ہے نہ قصیدہ ہے اور رجز ہے نہ جنات کا قول اور ان کے اشعار ہیں' تمہیں خوب معلوم ہے کہ جنات اور انسان کا کلام مجھے خوب یاد ہے' میں خود نامی شاعر ہوں' کلام کے حسن و قبح سے خوب واقف ہوں لیکن اللہ کی قسم! محمد کا کلام اس میں سے کچھ بھی نہیں' اللہ جانتا ہے اس میں عجب حلاوت' مٹھاس' لذت' شیفتگی اور دلیری ہے' وہ تمام کلاموں کا سردار ہے' اس کے سامنے اور کوئی کلام جچتا نہیں' وہ سب پر چھا جاتا ہے' اس میں کشش' بلندی اور جذب ہے' اب تم ہی بتلاؤ کہ میں اس کلام کی نسبت کیا کہوں؟ ابو جہل نے کہا سنو جب تک تم اسے برائی کے ساتھ یاد نہ کرو گے تمہاری قوم کے خیالات تمہاری نسبت صاف نہیں ہوں گے۔ اس نے کہا اچھا تو مجھے مہلت دو میں سوچ کر اس کی نسبت کوئی ایسا کلمہ کہہ دوں گا۔ چنانچہ سوچ ساچ کر قومی حمیت اور ناک رکھنے کی خاطر اس نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے جسے وہ نقل کرتا ہے۔ اس پر ذَرۡنِیۡ سے تِسۡعَةَ عَشَرَ تک کی آیتیں اتریں۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ دار الندوہ میں بیٹھ کر ان سب لوگوں نے مشورہ کیا کہ موسم حج پر چوطرف سے لوگ آئیں گے تو بتلاؤ انہیں محمد (ﷺ) کی نسبت کیا کہیں؟ کوئی ایسی تجویز کرو کہ سب یک زبان وہی بات کہیں تاکہ عرب بھر میں اور پھر اور جگہ بھی وہی مشہور ہو جائے تو اب کسی نے شاعر کہا' کسی نے جادوگر کہا' کسی نے کاہن اور نجومی کہا' کسی نے مجنون اور دیوانہ کہا' ولید بیٹھا سوچتا رہا اور غور و فکر کر کے دیکھ بھال کر' تیوری چڑھا اور منہ بنا کر کہنے لگا جادوگروں کا قول ہے جسے یہ نقل کر رہا ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے اُنۡظُرۡ کَیۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا یعنی ذرا دیکھو تو سہی تیری کیسی کیسی مثالیں گھڑتے ہیں لیکن بہک کر رہ جاتے ہیں اور کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

ولید کے لی جہنم کی سزا: ☆☆ اب اس کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ میں اسے جہنم کی آگ میں غرق کردوں گا' جو زبردست خوفناک عذاب کی آگ ہے' جو گوشت پوست کو' رگ پٹھوں کو کھا جاتی ہے' پھر یہ سب نئے آتے ہیں اور پھر جلائے جاتے ہیں' نہ موت آئے نہ راحت والی زندگی ملے' کھال ادھیڑ دینے والی وہ آگ ہے' ایک ہی لپک میں جسم کو رات سے زیادہ سیاہ کر دیتی ہے' جسم و جلد کو بھون جھلس دیتی ہے' انیس انیس داروغے اس پر مقرر ہیں جو نہ تھکیں نہ رحم کریں۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ چند یہودیوں نے صحابہؓ سے پوچھا بتلاؤ تو جہنم کے داروغوں کی تعداد کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ پھر کسی شخص نے آ کر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا اسی وقت آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی آپ نے صحابہ کو سنا دی اور کہا ذرا انہیں میرے پاس تو لاؤ میں بھی ان سے پوچھوں کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ سنو وہ سفید میدہ کی طرح ہے پھر یہودی آپ کے پاس آئے اور آپ سے پوچھا کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دو دفعہ جھکائیں دوسری دفعہ میں انگوٹھا روک لیا یعنی انیس پھر فرمایا تم بتلاؤ کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ انہوں نے ابن سلام سے کہا آپ ہی کہئے ابن سلام نے کہا گویا وہ سفید روٹی ہے آپ نے فرمایا یاد رکھو یہ سفید روٹی وہ جو خالص میدے کی ہو۔ (ابن ابی حاتم)

مسند بزار میں ہے کہ جس شخص نے حضورؐ کو صحابہ کے لاجواب ہونے کی خبر دی تھی اس نے آن کر کہا تھا کہ آج تو آپ کے اصحاب ہار گئے پوچھا کیسے؟ اس نے کہا جواب نہ بن پڑا اور کہنا پڑا کہ ہم اپنے نبی سے پوچھ لیں۔ آپؐ نے فرمایا بھلا وہ بھی ہارے ہوئے کہے جا سکتے ہیں جن سے وہ بات پوچھی جاتی ہے جسے وہ نہیں جانتے' تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے نبی سے پوچھ کر جواب دیں گے۔ ان یہودیوں کو' دشمنان خدا کو ذرا میرے پاس تو لاؤ' وہاں انہوں نے اپنے نبی سے اللہ کو دیکھنے کا سوال کیا تھا اور ان پر عذاب بھیجا گیا تھا اب یہود بلوائے گئے' جواب دیا گیا اور حضورؐ کے سوال پر یہ بڑے چکرائے' ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا
فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ
وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَا
ذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ
يَّشَآءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾ كَلَّا
وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَآ أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى
الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ أَنْ يَّتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾

ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتوں کو کیا ہے اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لئے مقرر کی ہے تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایماندار ایمان میں بڑھ جائیں اور اہل کتاب اور مسلمان شک نہ کریں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کافر کہیں کہ اس بیان سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو کل بنی آدم کے لئے سراسر پند و نصیحت ہے ○ سچ کہتا ہوں قسم ہے چاند کی ○ اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے ○ اور صبح کی جب کہ روشن جائے ○ کہ یقیناً جہنم بڑی چیزوں میں سے ایک ہے ○ بنی آدم کو ڈرانے والی ○ یعنی اسے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا ○

سخت دل بے رحم فرشتے اور ابوجہل: ☆☆ (آیت: ۳۱-۳۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عذاب کے کرنے پر اور جہنم کی نگہبانی پر ہم نے فرشتے ہی مقرر کئے ہیں جو رحم نہ کرنے والے اور سخت کلامی کرنے والے ہیں' اس میں مشرکین قریش کی تردید ہے۔ انہیں جس وقت جہنم کے داروغوں کی گنتی بتلائی گئی تو ابوجہل نے کہا اے قریشیو! یہ اگر انیس ہیں تو زیادہ سے زیادہ ایک سو نوے ہم مل کر انہیں ہرا دیں گے اس پر کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتے ہیں انسان نہیں' انہیں نہ تم ہرا سکو نہ تھکا سکو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابوالاشدین جس کا نام کلدہ بن اسید بن خلف تھا' اس نے اس گنتی کو سن کر کہا کہ قریشیو! تم سب مل کر ان میں سے دو کو روک لینا باقی سترہ کو میں کافی ہوں۔ یہ بڑا مغرور شخص تھا اور ساتھ ہی بڑا قوی تھا' یہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا پھر دس طاقتور شخص مل کر اسے اس کے پیروں تلے سے نکالنا چاہتے' کھال کے ٹکڑے اڑ جاتے لیکن اس کے قدم جنبش بھی نہ کھاتے۔ یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر کہا تھا کہ آپ مجھ سے کشتی لڑیں' اگر آپ نے مجھے گرا دیا تو میں آپ کی نبوت کو مان لوں گا۔ چنانچہ حضور نے اس سے کشتی کی اور کئی بار گرایا لیکن اسے ایمان لانا نصیب نہ ہوا۔ امام ابن اسحاق نے کشتی والا واقعہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب کا بتایا ہے میں کہتا ہوں ان دونوں میں کچھ تفاوت نہیں (ممکن ہے اس سے اور اس سے دونوں سے کشتی ہوئی ہوئی) واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اس گنتی کا ذکر تھا ہی امتحان کے لئے' ایک طرف کافروں کا کفر کھل پڑا دوسری جانب اہل کتاب کا یقین کامل ہو گیا کہ اس رسول کی رسالت حق ہے کیونکہ خود ان کی کتاب میں بھی یہی گنتی ہے' تیسری طرف ایماندار اپنے ایمان میں توانا ہو گئے' حضور کی بات کی تصدیق کی اور ایمان بڑھایا' اہل کتاب اور مسلمانوں کو کوئی شک شبہ نہ رہا' بیمار دل منافق چیخ اٹھے کہ بھلا بتاؤ کہ اسے یہاں ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہیں اور بہت سے لوگوں کے شبہ والے دل اور ڈانواڈول ہو جاتے ہیں' خدا کے یہ سب کام حکمت سے اور اسرار سے رہیں تیرے رب کے لشکروں کی گنتی اور ان کی صحیح تعداد اور ان کی کثرت کا کسی کو علم نہیں' وہی خوب جانتا ہے' یہ نہ سمجھو کہ بس انیس ہی ہیں جیسے یونانی فلسفیوں اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اپنی جہالت و ضلالت کی وجہ سے سمجھ لیا کہ اس سے مراد عقول عشرہ اور نفوس تسعہ ہیں حالانکہ یہ مجرد ان کا دعویٰ ہے جس پر دلیل قائم کرنے سے وہ بالکل عاجز ہیں' افسوس کہ آیت کے اول پر تو ان کی نظریں ہیں لیکن آخری حصہ کے ساتھ وہ کفر کر رہے ہیں جہاں صاف الفاظ موجود ہیں کہ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا' پھر انیس صرف کے کیا معنی؟ صحیحین کی معراج والی حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضور ﷺ نے بیت المعمور کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں اسی طرح دوسرے روز دوسرے ستر ہزار فرشتے اسی طرح ہمیشہ تک لیکن فرشتوں کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آنے کی۔

مسند احمد میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے' آسمان چرچرا رہے ہیں اور انہیں چرچرانے کا حق ہے' ایک انگلی ٹکانے کی جگہ ایسی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو' اگر تم وہ جان لیتے جو

میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ لذت نہ پا سکتے بلکہ فریاد و زاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے' اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل جاتا کاش کہ میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا' یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور حضرت ابوذرؓ سے موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے۔ طبرانی میں ہے ساتوں آسمانوں میں قدم رکھنے کی بالشت بھر یا ہتھیلی جتنی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام کی یا رکوع کی یا سجدے کی حالت میں نہ ہو' پھر بھی یہ سب کل قیامت کے دن کہیں گے کہ خدایا تو پاک ہے ہمیں جس قدر تیری عبادت کرنی چاہئے تھی اس قدر ہم سے ادا نہیں ہو سکی البتہ ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ امام محمد بن نصر مروزیؒ کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے سوال کیا کہ کیا جو میں سن رہا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا یا رسول اللہ ہمیں تو کچھ سنائی نہیں دیتا آپ نے فرمایا آسمانوں کا چرچر بولنا میں سن رہا ہوں اور وہ اس چرچراہٹ پر ملامت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس پر اس قدر فرشتے ہیں کہ ایک بالشت بھر جگہ خالی نہیں' کہیں کوئی رکوع میں ہے اور کہیں کوئی سجدے میں۔

دوسری روایت میں ہے آسمان دنیا میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں سجدے میں یا قیام میں کوئی فرشتہ نہ ہو' اسی لئے فرشتوں کا یہ قول قرآن کریم میں موجود ہے وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ یعنی ہم میں سے ہر ایک کے لئے مقرر جگہ ہے اور ہم صفیں باندھنے والے اور خدا کی تسبیح بیان کرنے والے ہیں' اس حدیث کا مرفوع ہونا بہت ہی غریب ہے' دوسری روایت میں یہ قول حضرت ابن مسعود کا بیان کیا گیا ہے' ایک اور سند سے یہ روایت حضرت ابن علاء بن سعد سے بھی مرفوعاً مروی ہے' یہ صحابی فتح مکہ میں اور اس کے بعد کے جہادوں میں حضورؐ کے ساتھ تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ' لیکن سنداً یہ بھی غریب ہے۔

ایک اور بہت ہی غریب بلکہ سخت منکر حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے نماز کھڑی ہوئی تھی اور تین شخص بیٹھے ہوئے تھے جن میں کا ایک ابوجحش لیثی تھا آپ نے فرمایا اٹھو' حضور کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤ تو دو شخص تو کھڑے ہو گئے لیکن ابوجحش کہنے لگا اگر کوئی ایسا شخص آئے جو طاقت وقوت میں مجھ سے زیادہ ہو اور مجھ سے کشتی لڑے اور مجھے گرا دے پھر میرا منہ مٹی میں ملا دے تو تو میں اٹھوں گا ورنہ بس اٹھ چکا' حضرت عمرؓ نے فرمایا اور کون آئے گا آ جا میں تیار ہوں' چنانچہ کشتی ہونے لگی اور میں نے اسے پچھاڑا پھر اس کے منہ کو مٹی میں مل دیا اور اتنے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور اسے میرے ہاتھ سے چھڑا دیا میں بڑا بگڑا اور اسی غصہ کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا ابوحفص آج کیا بات ہے؟ میں نے کل واقعہ کہہ سنایا آپ نے فرمایا اگر عمر اس سے خوش ہوتا تو اس پر رحم کرتا' خدا کی قسم میرے نزدیک تو اس خبیث کا سر تو اتار لیتا تو اچھا تھا' یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ یونہی وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی طرف لپکے' خاصی دور نکل چکے تھے جو حضورؐ نے انہیں آواز دی اور فرمایا بیٹھو سن تو لو کہ خدا ابوجحش کی نماز سے بالکل بے نیاز ہے' آسمان دنیا میں خشوع وخضوع والے بے شمار فرشتے خدا کے سامنے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں جو قیامت کو سجدے سے سر اٹھائیں گے اور یہ کہتے ہوئے حاضر ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا' اسی طرح دوسرے آسمان میں بھی یہی حال ہے' حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ حضور ان کی تسبیح کیا ہے؟ فرمایا آسمان دنیا کے فرشتے تو کہتے ہیں سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ اور دوسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ اور تیسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ عمر تم بھی اپنی نماز میں اسے کہا کرو' حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اس سے پہلے جو

پڑھنا آپ نے سکھایا ہے اور جس کے پڑھنے کو فرمایا ہے اس کا کیا ہوگا کہا' کبھی یہ کہو کبھی وہ پڑھو پہلے جو پڑھنے کو آپ نے فرمایا تھا' وہ یہ تھا اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ یعنی خدایا تیرے عذابوں سے میں تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ پکڑتا ہوں اور تیرا چہرہ جلال والا ہے- اور اسحٰق مروزی جو راوی حدیث ہے اس سے حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں اور امام ابن حبان رحمتہ اللہ علیہ بھی انہیں ثقہ راویوں میں گنتے ہیں لیکن حضرت امام ابوداؤد' امام نسائی' امام عقیلی اور امام دار قطنی رحمہم اللہ انہیں ضعیف کہتے ہیں' امام ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں تھے تو یہ سچے مگر نابینا ہو گئے تھے اور کبھی کبھی تلقین قبول کرلیا کرتے تھے ہاں ان کی کتابوں کی مرویات صحیح ہیں' ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ مضطرب ہیں اور ان کے استاد عبدالملک بن قدامہ ابوقتادہ جمحی میں بھی کلام ہے' تعجب ہے کہ امام محمد بن نصر رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی اس حدیث کو کیسے روایت کر دیا؟ اور نہ تو اس پر کلام کیا نہ اس کے حال کو معلوم کرایا نہ اس کے بعض راویوں کے ضعف کو بیان کیا' ہاں اتنا تو کیا ہے کہ اسے دوسری سند سے مرسلاً روایت کر دیا ہے اور مرسل کی دو سندیں لائے ہیں ایک حضرت سعید بن جبیرؓ' دوسری حضرت حسن بصریؒ سے-

- پھر ایک اور روایت لائے ہیں کہ حضرت عدی بن ارطاۃؒ نے مدائن کی جامع مسجد میں اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں نے ایک صحابی سے سنا ہے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے فرشتے ہیں جو ہر وقت خوف خدا سے کپکپاتے رہتے ہیں' ان کے آنسو گرتے رہتے ہیں اور وہ ان فرشتوں پر ٹپکتے ہیں جو نماز میں مشغول ہیں اور ان میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو ابتداء دنیا سے رکوع میں ہی ہیں اور بعض سجدے میں ہی ہیں قیامت کے دن اپنی پیٹھ اور اپنا سر اٹھائیں گے اور نہایت عاجزی سے جناب باری میں عرض کریں گے کہ خدایا تو پاک ہے ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا- اس حدیث کی اسناد میں کوئی حرج نہیں- پھر فرماتا ہے یہ آگ جس کا وصف تم سن چکے یہ لوگوں کے لئے سراسر باعث عبرت و نصیحت ہے- پھر چاند کی رات کے جانے کی صبح کے روشن ہونے کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ وہ آگ ایک زبردست اور بہت بڑی چیز ہے جو اس ڈراوے کو قبول کر کے حق کی راہ لگنا چاہے لگ جائے' جو چاہے باوجود اس کے بھی حق کو پیٹھ ہی دیتا ہے اور اس سے دور بھاگتا ہے اور اسے رد کرتا ہے-

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾

ہر ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس اور مبتلا ہے ○ مگر دائیں ہاتھ والے ○ کہ وہ بہشتوں میں بیٹھے سوال کرتے ہوں گے ○ گنہگاروں سے ○ کہ تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا؟ ○ وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے ○ نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے ○ اور ہم بحث کرنے والے انکاریوں کا ساتھ دے کر بحث مباحثہ میں مشغول رہا کرتے تھے ○ اور جزا سزا کے دن کو بھی ہم سچا نہیں جانتے تھے ○

جنتیوں اور دوزخیوں میں گفتگو ہوگی: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۶) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال میں قیامت کے دن

جکڑا بندھا ہوگا لیکن جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ آیا ہے وہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے بیٹھے ہوئے جہنمیوں کو بدترین عذابوں میں دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے نہ تو رب کی عبادت کی' نہ مخلوق کے ساتھ احسان کیا' بغیر علم کے جو زبان پر چڑھا بکتے رہے' جہاں کسی کو اعتراض کرتے سنا ہم بھی ساتھ ہو گئے اور باتیں بنانے لگ گئے اور قیامت کے دن کی تکذیب ہی کرتے رہے یہاں تک کہ موت آ گئی۔ یقین کے معنی موت کے اس آیت میں بھی ہیں وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ یعنی موت کے وقت تک خدا کی عبادت میں لگا رہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی نسبت حدیث میں بھی یقین کا لفظ آیا ہے۔

حَتّٰٓی اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِیْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ یُرِیْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا یَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی ○ پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی ○ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں ○ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں ○ جو شیر سے بھاگے ہوں ○ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے کھلی ہوئی کتابیں دکھائیں ○ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ دراصل یہ قیامت سے بے خوف ہیں ○ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن ایک نصیحت ہے ○ اب جو چاہے اسے یاد کرلے ○ اور وہ جبھی یاد کریں گے جب اللہ تعالیٰ چاہے' وہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈریں اور اس لائق بھی کہ وہ بخشے ○

(آیت: ۴۷-۵۶) اب خدائے عالم فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کو کسی کی سفارش اور شفاعت نفع نہ دے گی اس لئے کہ شفاعت وہاں نافع ہوتی ہے جہاں محل شفاعت ہو لیکن جن کا دم بھی کفر پر نکلا ہو ان کے لئے شفاعت کہاں؟ وہ ہمیشہ کے لئے ہاویہ میں گئے۔ پھر فرمایا کیا بات ہے؟ کون سی وجہ ہے کہ یہ کافر تیری نصیحت اور دعوت سے منہ پھیر رہے ہیں اور قرآن حدیث سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شکاری شیر سے فارسی زبان میں جسے شیر کہتے ہیں اسے عربی میں اسد کہتے ہیں اور حبشی زبان میں قسورہ کہتے ہیں اور نبطی زبان میں آیا۔ پھر فرماتا ہے یہ مشرکین تو چاہتے ہیں کہ ان میں کے ہر شخص پر علیحدہ علیحدہ کتاب اترے جیسے اور جگہ ان کا مقولہ ہے حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ یعنی جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ وہ نہ دیئے جائیں جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ رسالت کے قابل کون ہے؟ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم بغیر عمل کے چھٹکارا دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل وجہ یہ ہے کہ انہیں آخرت کا خوف ہی نہیں کیونکہ انہیں اس کا یقین نہیں' اس پر ایمان نہیں' بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں تو ڈرتے کیوں؟ پھر فرمایا سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن محض نصیحت و موعظت ہے جو چاہے عبرت حاصل کرلے اور نصیحت پکڑ لے جیسے فرمان ہے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ الخ' یعنی تمہاری چاہتیں خدا کی چاہت کی تابع ہیں۔ پھر فرمایا اسی کی ذات اس

قابل ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے اور وہی ایسا ہے کہ ہر رجوع کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے۔

مسند احمد میں ہے رسول کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے میں اس کا حقدار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے' جو میرے ساتھ شریک بنانے سے بچ گیا تو وہ میری بخشش کا مستحق ہو گیا۔ ابن ماجہ اور نسائی اور ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن غریب کہتے ہیں سہیل اس کا راوی قوی نہیں' اللہ تعالیٰ کے احسان سے سورۂ مدثر کی تفسیر بھی ختم ہوئی فالحمدللہ۔

تفسیر سورة القيامة

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَآ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ ﴿۱﴾ وَلَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ یَسۡـَٔلُ اَیَّانَ یَوۡمُ الۡقِیٰمَةِ ﴿۶﴾

معبود برحق رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی ○ اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو ○ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع کریں گے ہی نہیں؟ ○ ہاں ضرور کریں گے ہم تو قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پور پور تک درست کردیں ○ بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ آگے آگے نافرمانیاں کرتا جائے ○ پوچھتا رہتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ ○

ہم سب اپنے اعمال کا خود آئینہ ہیں: ☆☆ (آیت:۱-۶) یہ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ جس چیز پر قسم کھائی جائے اگر وہ رد کرنے کی چیز ہو تو قسم سے پہلے لا کا کلمہ نفی کی تائید کے لئے لانا جائز ہوتا ہے یہاں قیامت کے ہونے پر اور جاہلوں کے اس قول کی تردید پر کہ قیامت نہ ہو گی قسم کھائی جا رہی ہے تو فرماتا ہے قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے ملامت کرنے والی جان کی' حضرت حسنؒ تو فرماتے ہیں قیامت کی قسم ہے اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں ہے' حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں دونوں کی قسم ہے' حسن اور اعرج کی قرات لَّا اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیَامَةِ ہے اس سے بھی حضرت حسنؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک پہلے کی قسم ہے اور دوسرے کی نہیں لیکن صحیح قول یہی ہے کہ دونوں کی قسم کھائی ہے جیسے کہ حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے' ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے اور امام ابن جریرؒ کا مختار قول بھی یہی ہے۔ یوم قیامت کو تو ہر شخص جانتا ہی ہے۔

نفس لوامہ کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مومن کا نفس ہے وہ ہر وقت اپنے تئیں ملامت ہی کرتا رہتا ہے کہ یوں کیوں کہہ دیا؟ یہ کیوں کھا لیا؟ یہ خیال دل میں کیوں آیا؟ ہاں فاسق فاجر غافل ہوتا ہے اسے کیا پڑی جو اپنے نفس کو روکے' یہ بھی مروی ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق قیامت کے دن اپنے تئیں ملامت کرے گی' خیر والے خیر کی کمی پر اور شر والے شر کے سرزد ہونے پر' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مذموم نفس ہے جو نافرمان ہو' فوت شدہ پر نادم ہونے والا اور اس پر ملامت کرنے والا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ سب اقوال قریب قریب ہیں' مطلب یہ ہے کہ یہ وہ نفس والا ہے جو نیکی کی کمی پر' برائی کے ہو جانے پر اپنے نفس کو ملامت کرتا

ہے اور فوت شدہ پر ندامت کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کیا انسان یہ سوچے ہوئے ہے کہ ہم قیامت کے دن اس کی ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر نہ ہوں گے؟ یہ تو نہایت غلط خیال ہے ہم اسے متفرق جگہ سے جمع کر کے دوبارہ کھڑا کریں گے اور اس کی بالشت بالشت بنادیں گے۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی ہم قادر ہیں کہ اسے اونٹ یا گھوڑے کے تلوے کی طرح بنادیں' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یعنی دنیا میں بھی اگر ہم چاہتے اسے ایسا کر دیتے' آیت کے لفظوں سے تو بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قَادِرِیْنَ حال ہے نَجْمَعُ سے یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے؟ ہاں ہاں ہم عنقریب جمع کریں گے درآنحالیکہ ہمیں ان کے جمع کرنے کی قدرت ہے بلکہ اگر ہم چاہیں تو جتنا یہ تھا اس سے بھی کچھ زیادہ بنا کر اسے اٹھائیں اس کی انگلیوں کے سرے برابر کے کر کے۔ ابن قتیبہ اور زجاج کے قول کے یہی معنی ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ انسان اپنے آگے فسق و فجور کرنا چاہتا ہے یعنی قدم بہ قدم بڑھ رہا ہے امیدیں باندھے ہوئے ہے' کہتا جاتا ہے کہ گناہ کر تو لوں توبہ بھی ہو جائے گی' قیامت کے دن سے جو اس کے آگے ہے کفر کرتا ہے وہ گویا اپنے سر پر سوار ہو کر آگے بڑھ رہا ہے' ہر وقت یہی پایا جاتا ہے کہ ایک ایک قدم اپنے نفس کو خدا کی معصیت کی طرف بڑھاتا جاتا ہے مگر جن پر رب کا رحم ہے۔ اکثر سلف کا قول اس آیت کی تفسیر میں یہی ہے کہ گناہوں میں جلدی کرتا ہے اور توبہ میں تاخیر کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یوم حساب سے انکاری ہے ابن زید بھی یہی کہتے ہیں اور یہی زیادہ ظاہر مراد ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ وہ پوچھتا ہے قیامت کب ہوگی' اس کا یہ سوال بھی بطور انکار کے ہے' یہ تو جانتا ہے کہ قیامت کا آنا محال ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتا دو کہ قیامت کب آئے گی؟ ان سے کہہ دے کہ اس کا ایک دن مقرر ہے جس سے نہ تم ایک ساعت آگے بڑھ سکو گے نہ پیچھے ہٹ سکو گے۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰ کَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝۱۳ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝۱۴ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝۱۵

پس جس وقت کہ نگاہ پتھرا جائے ○ اور چاند بے نور ہو جائے ○ اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں ○ اس دن انسان کہے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ○ نہیں نہیں کوئی پناہ نہیں ○ آج تو تیرے پروردگار کی طرف ہی قرار گاہ ہے ○ آج انسان کو اس کے آگے بھیجے اور پیچھے چھوڑے ہوئے سے آگاہ کیا جائے گا ○ بلکہ انسان خود اپنے اوپر آپ حجت ہے ○ گو اپنے تمام عذر سامنے ڈال دے ○

(آیت: ۹-۱۵) یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب آنکھیں پتھرا جائیں گی' جیسے اور جگہ ہے لَا یَرْتَدُّ اِلَیْھِمْ طَرْفُھُمْ الخ یعنی پلکیں جھکیں گی نہیں بلکہ رعب و دہشت خوف و وحشت کے مارے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتے رہیں گے۔ بَرِقَ کی دوسری قرات بَرَقَ بھی ہے' معنی قریب قریب ہیں اور چاند کی روشنی بالکل جاتی رہے گی اور سورج' چاند جمع کر دیئے جائیں گے یعنی دونوں کو بے نور کر کے لپیٹ لیا جائے گا' جیسے فرمایا اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ حضرت ابن مسعود کی قرات میں وَجُمِعَ بَیْنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ ہے انسان جب یہ پریشانی شدت ہول گھبراہٹ اور انتظام عالم کی یہ خطرناک حالت دیکھے گا تو بھاگا جائے گا اور کہے گا کہ جائے پناہ بھاگنے کی جگہ کہاں

ہے؟ اللہ تعالیٰ کیطرف سے جواب ملے گا کہ کوئی پناہ نہیں' رب کے سامنے اور اس کے پاس ٹھہرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں- جیسے اور جگہ ہے مَالَكُمْ مِنْ مَّلْجَا يَوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ یعنی آج نہ تو کوئی جائے پناہ ہے نہ ایسی جگہ کہ وہاں جا کر تم انجان اور بے پہچان بن جاؤ' آج ہر شخص کو اس کے اگلے پچھلے' نئے پرانے' چھوٹے بڑے اعمال سے مطلع کیا جائے گا- جیسے فرمان ہے وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا الخ جو کیا تھا موجود پالیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا- انسان اپنے آپ کو بخوبی جانتا ہے' اپنے اعمال کا خود آئینہ ہے گو انکار کرے اور عذر معذرت پیش کرتا پھرے- جیسے فرمان ہے اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے اور اپنے تئیں آپ ہی جانچ لے' ان کے کان' آنکھ' ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء ہی اس پر شہادت دینے کو کافی ہیں لیکن افسوس کہ یہ دوسروں کے عیبوں اور نقصانوں کو دیکھتا ہے اور اپنے کیڑے چننے سے غافل ہے- کہا جاتا ہے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے اے ابن آدم تو دوسروں کی آنکھوں کا تو تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی تجھے دکھائی نہیں دیتا؟ قیامت کے دن گو انسان فضول بہانے بنائے اور جھوٹی دلیلیں دے اور بے کار عذر پیش کرے ایک بھی قبول نہ کیا جائے گا- اس آیت کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ پردے ڈالے- اہل یمن پردے کو عذر کہتے ہیں لیکن صحیح معنی اوپر والے ہیں' جیسے اور جگہ ہے کہ کوئی معقول عذر نہ پا کر اپنے شرک کا سرے سے انکار ہی کر دیں گے کہ خدا کی قسم ہم مشرک تھے ہی نہیں' اور جگہ ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے بھی قسمیں کھا کھا کر سچا ہونا چاہیں گے جیسے دنیا میں تمہارے سامنے ان کی حالت ہے لیکن خدا پر تو ان کا جھوٹ ظاہر ہے گو وہ اپنے تئیں کچھ بھی سمجھتے رہیں' غرض عذر معذرت انہیں قیامت کے دن کچھ کار آمد نہ ہوگی' جیسے اور جگہ فرماتا ہے لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ ظالموں کو ان کی معذرت کچھ کار آمد نہ ہوگی' یہ تو اپنے شرک کے ساتھ ہی اپنی تمام بداعمالیوں کا انکار کر دیں گے لیکن بے سود ہوگا-

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾

اے نبی تم قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دو O اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے O

حفظ قرآن' تلاوت وتفسیر کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۷) یہاں اللہ عزوجل اپنے نبی ﷺ کو تعلیم دیتا ہے کہ فرشتے سے وحی کس طرح حاصل کریں آنحضورؐ اس کے لینے میں بہت جلدی کرتے تھے اور قرات میں فرشتے کے بالکل ساتھ ساتھ رہتے تھے' پس اللہ عزوجل حکم فرماتا ہے کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے آپ سنتے رہیں' پھر جس ڈر سے آپ ایسا کرتے تھے اس کی بابت تسلی دیتا ہے کہ آپ کے سینے میں اسے جمع کر دینا اور بروقت آپ کی زبان سے اس کا پڑھا دینا یہ ہمارے ذمہ ہے' اسی طرح اس کا واضح کرانا اور تفسیر اور بیان آپ سے کرانے کے ذمہ دار بھی ہم ہی ہیں' پس پہلی حالت تو یاد کرانا' دوسری تلاوت کرانا' تیسری تفسیر مضمون اور توضیح مطلب کرانا' تینوں کی کفالت خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی- جیسے اور جگہ ہے وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا یعنی جب تک تیرے پاس وحی پوری نہ آئے تو پڑھنے میں جلدی نہ کیا کر' ہم سے دعا مانگ کہ میرے رب میرے علم کو زیادہ کرتا رہ- پھر فرماتا ہے اسے تیرے سینے میں جمع کرنا اور اسے تجھ سے پڑھوانا ہمارے اوپر ہے' جب ہم اسے پڑھیں یعنی ہمارا نازل کردہ فرشتہ جب اسے تلاوت کرے تو تو سن لے جب وہ پڑھ چکے تب تو پڑھ' ہماری مہربانی سے تجھے پورا یاد نکلے گا' اتنا ہی نہیں بلکہ حفظ کرانے' تلاوت کرانے کے بعد ہم تجھے اس کے معنی مطالب' تبیین وتوضیح کے ساتھ سمجھا دیں گے تاکہ ہماری اصلی مراد اور صاف شریعت سے تو پوری طرح آگاہ ہو جائے-

مسند میں ہے حضورؐ کو اس سے پہلے وحی لینے میں سخت تکلیف ہوتی تھی اس ڈر کے مارے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں فرشتے کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے اور آپ کے ہونٹ ہلتے جاتے تھے‘ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ راوی حدیث نے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھایا کہ اس طرح اور ان کے شاگرد سعید نے بھی اپنے استاد کی طرح ہلا کر اپنے شاگرد کو دکھائے اس پر یہ آیت اتری کہ اتنی جلدی نہ کرو اور ہونٹ نہ ہلاؤ‘ اسے آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کی تلاوت کرانا ہمارے سپرد ہے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا
بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ
نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ
يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾

ہم جب اسے پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کے درپے رہ ○ پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے ○ نہیں نہیں تم تو دنیا کی محبت رکھتے ہو ○ اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو ○ اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے ○ اور اپنے رب کی طرف دیکھتے ○ اور کتنے ایک چہرے اس دن بدرونق اور اداس ہوں گے ○ سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ○

(آیت: ۱۸-۲۵) جب ہم اسے پڑھیں تو آپ سنئے اور چپ رہئے‘ جبرئیل علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد انہی کی طرح ان کا پڑھایا ہوا پڑھنا بھی ہمارے سپرد ہے۔ بخاری مسلم میں بھی یہ روایت ہے‘ بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ پھر جب وحی اترتی آپ نظریں نیچی کر لیتے اور جب وحی چلی جاتی آپ پڑھتے۔ ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت ابن عباس یہ حدیث مروی ہے اور بہت سے مفسرین سلف صالحین نے یہی فرمایا ہے یہ بھی مروی ہے کہ حضورؐ ہر وقت تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو میں بھول جاؤں اس پر یہ آیتیں اتریں۔

حضرت ابن عباسؓ اور عطیہ عوفی فرماتے ہیں اس کا بیان ہم پر ہے یعنی حلال و حرام کا واضح کرنا‘ حضرت قتادہؒ کا قول بھی یہی ہے۔

پھر فرمان ہوتا ہے کہ ان کافروں کو قیامت کے انکار اور خدا کی پاک کتاب کو نہ ماننے اور خدا کے عظیم الشان رسول کی اطاعت نہ کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز حب دنیا اور ترک آخرت ہے‘ حالانکہ آخرت کا دن بڑی اہمیت والا دن ہے‘ اس دن بہت سے لوگ تو وہ ہوں گے جن کے چہرے ہشاش بشاش تروتازہ خوش وخرم ہوں گے اور اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہوں گے‘ جیسے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عنقریب تم اپنے رب کو صاف صاف کھلم کھلا اپنے سامنے دیکھو گے۔ بہت سی صحیح حدیثوں سے متواتر سندوں سے جو ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں وارد کی ہیں ثابت ہو چکا ہے کہ ایمان والے اپنے رب کے دیدار سے قیامت کے دن مشرف ہوں گے‘ ان حدیثوں کو نہ تو کوئی ہٹا سکے نہ ان کا کوئی انکار کر سکے۔ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا سورج اور چاند کو جبکہ آسمان صاف بے ابر ہو دیکھنے میں تمہیں کوئی مزاحمت اور بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے صحیحین میں ہے حضرت جریر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو ایسے دیکھو گے جیسے چودہویں رات کے چاند کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے کی نماز (یعنی صبح کی نماز) اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز (یعنی عصر کی نماز) میں کسی طرح کی سستی نہ کرو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے انہی دونوں متبرک کتابوں میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جنتیں سونے کی ہیں وہاں کے برتن بھانڈے

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ
الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ
الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ع

نہیں نہیں جب روح ہنسلی تک پہنچے گی ○ اور کہا جائے گا کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ ○ اور یقین ہو جائے گا کہ یہ وقت جدائی ہے ○ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی ○ آج تیرے پروردگار کی طرف ہی چلنا ہے ○ اس نے نہ تو تصدیق کی نہ نماز ادا کی ○ بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی ○

جب ہماری روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے بعد کیا ہوتا ہے: ☆☆ (آیت: ۲۶-۳۲) یہاں پر موت کا اور سکرات کے عالم کا بیان ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس وقت حق پر ثابت قدم رکھے۔ کَلَّا کو اگر یہاں ڈانٹ کے معنی میں لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ اے ابن آدم تو جو میری خبروں کو جھٹلاتا ہے وہ درست نہیں بلکہ ان کے مقدمات تو تو روزمرہ کھلم کھلا دیکھ رہا ہے اور اگر اس لفظ کو حَقًّا کے معنی میں لیں تو مطلب اور زیادہ ظاہر ہے یعنی یہ بات یقینی ہے کہ جب تیری روح تیرے جسم سے نکلنے لگے اور تیرے نرخرے تک پہنچ جائے۔ تَرَاقِي جمع ہے تَرْقُوَةٌ کی ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو سینے پر اور مونڈھوں کے درمیان میں ہیں جسے ہانس کی ہڈی کہتے ہیں جیسے اور جگہ ہے فَلَوْ لَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ سے صٰدِقِيْنَ تک فرمایا ہے یعنی جبکہ روح حلق تک پہنچ جائے اور تم دیکھ رہے ہو اور ہم تم سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے، پس اگر تم حکم الٰہی کے ماتحت نہیں ہو اور اپنے اس قول میں سچے ہو تو اس روح کو کیوں نہیں لوٹا لاتے؟ اس مقام پر اس حدیث پر بھی نظر ڈال لی جائے جو بشر بن محاج کی روایت سے سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ تَرَاقِي جو جمع ہے تَرْقُوَةٌ کی ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو حلقوم کے قریب ہیں، اس وقت ہائی دہائی ہوتی ہے کہ کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کرے یعنی کسی طبیب وغیرہ کے ذریعہ شفا ہو سکتی ہے؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہے یعنی اس روح کو لے کر کون چڑھے گا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اور پنڈلی سے رگڑا کھانے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ دنیا اور آخرت اس پر جمع ہو جاتی ہے دنیا کا آخری دن ہوتا ہے اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے جس سے سختی پر سخت ہو جاتی ہے مگر جس پر رب رحیم کا رحم و کرم ہو دوسرا مطلب حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ ایک بہت بڑا امیر دوسرے بہت بڑے امیر سے مل جاتا ہے بلا پر بلا آ جاتی ہے، تیسرا مطلب حضرت حسن بصریؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ خود مرنے والے کی بیقراری اور شدت اور اسی پاؤں پر پاؤں کا چڑھ جانا مراد ہے پہلے تو یہ ان پاؤں پر چلتا پھرتا تھا لیکن اب ان میں جان کہاں؟ اور یہ بھی مروی ہے کہ کفن کے وقت پنڈلی سے پنڈلی کا مل جانا مراد ہے۔

چوتھا مطلب حضرت ضحاکؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ دو کام دو طرف جمع ہو جاتے ہیں ادھر تو لوگ اس کے جسم کو نہلا دھلا کر سپرد خاک کرنے کو تیار ہیں ادھر فرشتے اس کی روح لے جانے میں مشغول ہیں، اگر نیک ہے تو عمدہ تیاری اور دھوم کے ساتھ اگر بد ہے تو نہایت ہی برائی اور بدتر حالت کے ساتھ۔ اب لوٹنے اور قرار پانے کی، رہنے سہنے اور پہنچ جانے کی جگہ، کھچ کر جانے اور چل کر پہنچنے کی جگہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ روح آسمان کی طرف چڑھائی جاتی ہے پھر وہاں سے حکم ہوتا ہے کہ اسے زمین کی طرف پھر لے جاؤ میں نے ان سب کو اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹا کر لے جاؤں گا اور پھر اسی سے انہیں دوبارہ نکالوں گا۔ جیسے کہ حضرت براءؓ کی مطول حدیث میں آیا ہے یہی مضمون جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وہی اپنے بندوں پر غالب ہے وہی تمہاری حفاظت کے لئے

تمہارے پاس فرشتے بھیجتا ہے یہاں تک کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اسے فوت کر لیتے ہیں اور وہ کوئی قصور نہیں کرتے پھر سب کے سب اپنے سچے مولا کی طرف لوٹائے جاتے ہیں' یقین مانو کہ حکم اسی کا چلتا ہے اور وہ سب سے بعد حساب لینے والا ہے۔ پھر اس کافر انسان کا حال بیان ہو رہا ہے جو اپنے دل اور اپنے عقیدے سے حق کا جھٹلانے والا اور اپنے بدن اور اپنے عمل سے حق سے روگردانی کرنے والا تھا جس کا ظاہر باطن برباد ہو چکا تھا اور کوئی بھلائی اس میں باقی نہیں رہی تھی نہ وہ خدا کی باتوں کی دل سے تصدیق کرتا تھا نہ جسم سے عبادت خدا بجا لاتا تھا' یہاں تک کہ نماز کا بھی چور تھا۔

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى
لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ
نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾
فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ
عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ع ۱۰ ۱۸

پھر اپنے گھر والوں کے پاس اتراتا ہوا گیا ○ افسوس ہے تجھ پر حسرت ہے تجھ پر ○ وائے اور خرابی ہے تیرے لئے ○ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا ○ کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا جاتا ہے ○ پھر وہ لہو کی پھٹکی ہو گیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست بنا دیا ○ پھر اس سے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے ○ کیا یہ اللہ اس امر پر قادر نہیں؟ کہ مردے کو زندہ کر دے ○

(آیت:۳۳-۴۰) ہاں جھٹلانے اور منہ موڑنے میں بے باک تھا اور اپنے اس ناکارہ عمل پر اتراتا اور پھولتا ہوا بے ہمتی اور بد عملی کے ساتھ اپنے والوں میں جا ملتا تھا۔ جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ یعنی جب اپنے والوں کی طرف لوٹتے ہیں تو خوب باتیں بناتے ہوئے مزے کرتے ہوئے خوش خوش جاتے ہیں اور جگہ ہے اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا یعنی یہ اپنی گھرانے والوں میں شادمان تھا اور سمجھ رہا تھا کہ خدا کی طرف اسے لوٹنا ہی نہیں۔ اس کا یہ خیال محض غلط تھا' اس کے رب کی نگاہیں اس پر تھیں پھر اسے اللہ تبارک وتعالیٰ دھمکاتا ہے اور ڈرساتا ہے اور فرماتا ہے خرابی ہو تجھے خدا کے ساتھ کفر کر کے پھر اتراتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ یعنی قیامت کے دن کافر سے بطور ڈانٹ کے اور حقارت کے کہا جائے گا کہ لے اب مزہ چکھ تو تو بڑی عزت اور بزرگی والا تھا۔ اور فرمان ہے كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ کچھ کھا پی لو آخر تو بدکار گنہگار ہو۔ اور جگہ ہے فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ جاؤ خدا کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو وغیرہ وغیرہ غرض یہ ہے کہ ان تمام جگہوں میں یہ احکام بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر سے جب یہ آیت اَوْلٰى لَكَ کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا رسول مقبول ﷺ نے یہ ابو جہل کو فرمایا تھا پھر قرآن میں بھی یہی الفاظ نازل ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی کے قریب قریب نسائی میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت قتادہؒ کی روایت ہے کہ حضورؐ کے اس فرمان پر اس دشمن خدا نے کہا کہ کیا تو مجھے دھمکاتا ہے؟ خدا کی قسم تو اور تیرا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے والوں میں سب سے زیادہ ذی عزت میں ہوں۔ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ اسے کوئی حکم اور کسی چیز کی ممانعت نہ کی جائے گی؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ دنیا میں اسے حکم و ممانعت اور آخرت میں اپنے اپنے اعمال کے بموجب جزاء وسزا ضرور ملے

گی۔ مقصود یہاں پر قیامت کا اثبات اور منکرین قیامت کا رد ہے اسی لئے دلیل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ انسان دراصل نطفہ کی شکل میں بے جان و بے بنیاد تھا' پانی کا ذلیل قطرہ تھا جو پیٹھ سے رحم میں آیا' پھر خون کی پھٹکی بنی' پھر گوشت کا لوتھڑا ہوا' پھر خدائے تعالیٰ نے شکل وصورت دے کر روح پھونکی اور سالم اعضاء والا انسان بنا کر مرد یا عورت کی صورت میں پیدا کیا۔ کیا اور وہ خدا جس نے نطفہ ضعیف کو ایسا صحیح القامت قوی انسان بنا دیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اسے فنا کر کے پھر دوبارہ پیدا کر دے؟ یقیناً پہلی مرتبہ کا پیدا کرنے والا دوبارہ بنانے پر بہت زیادہ اور بطور اولیٰ قادر ہے یا کم از کم اتنا ہی جتنا پہلی مرتبہ تھا' جیسے فرمایا وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ اس نے ابتداً پیدا کیا وہی پھر لوٹ لائے گا اور وہ اس پر بہت زیادہ آسان ہے اس آیت کے مطلب میں بھی دو قول ہیں لیکن پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے جیسے کہ سورۂ روم کی تفسیر میں اس کا بیان اور تقریر گذر چکی واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی چھت پر بہ آواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے تھے جب اس سورت کی آخری آیت کی تلاوت کی تو فرمایا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ فَبَلٰى یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور بیشک قادر ہے لوگوں نے اس کہنے کا باعث پوچھا تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کا یہی جواب دیتے ہوئے سنا ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے لیکن دونوں کتابوں میں اس صحابی کا نام نہیں گو یہ نام نہ ہونا مضر نہیں۔ ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص تم میں سے سورۂ والتین کی آخری آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ پڑھے وہ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ کہے یعنی ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں اور جو شخص سورۂ قیامت کی آخری آیت اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى پڑھے تو وہ کہے بَلٰى اور جو سورۂ والمرسلات کی آخری آیت فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ پڑھے وہ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہے۔ یہ حدیث مسند احمد اور ترمذی میں بھی ہے۔ ابن جریر میں حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اس آخری آیت کے بعد فرماتے سُبْحَانَكَ وَبَلٰى۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے جواب میں یہ کہنا ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔ سورۂ قیامہ کی تفسیر الحمدللہ ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الدهر

صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں آنحضرت ﷺ سورۂ الٓمّٓ تَنْزِيْل اور سورۂ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت اتری اور حضورؐ نے اس کی تلاوت کی اس وقت آپ کے پاس ایک سانولے رنگ کے صحابی بیٹھے ہوئے تھے جب جنت کی صفتوں کا ذکر آیا تو ان کے منہ سے بے ساختہ ایک چیخ نکل گئی اور ساتھ ہی روح پرواز کر گئی' جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا تمہارے ساتھی اور تمہارے بھائی کی جان جنت کے شوق میں نکل گئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾

بہت بڑی بخششوں اور بہت بڑے رحم والے اللہ کے نام سے شروع

یقیناً انسان پر زمانہ کا وہ وقت بھی گذر چکا ہے جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ○ بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لئے پیدا کیا اور اسے سنتا دیکھتا بنایا ○ ہم نے اسے راہ دکھادی اب خواہ وہ شکر گذار بنے خواہ ناشکرا ○

اے انسان اپنے فرائض پہچان: ☆☆ (آیت: ۱-۳) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا حالانکہ اس سے پہلے وہ اپنی حقارت اور اپنے ضعف کی وجہ سے ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا ذکر کیا جائے' اسے مرد وعورت کے ملے جلے پانی سے پیدا کیا اور عجب عجب پلٹیوں کے بعد یہ موجودہ شکل وصورت اور ہیبت پر آیا' اسے ہم آزمار ہے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟ پس اس نے تمہیں کان اور آنکھ عطا فرمائیں تا کہ اطاعت اور معصیت میں تمیز کر سکو۔ ہم نے اسے راہ دکھا دی خوب واضح اور صاف کر کے اپنا سیدھا راستہ اس پر کھول دیا' جیسے اور جگہ ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى یعنی ثمودیوں کو ہم نے ہدایت کی لیکن انہوں نے اندھاپے کو ہدایت پر ترجیح دی۔

اور جگہ ہے وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ہم نے انسان کو دونوں راہیں دکھا دیں یعنی بھلائی برائی کی' اس آیت کی تفسیر میں مجاہدؒ' ابو صالحؒ' ضحاکؒ اور سدیؒ سے مروی ہے کہ اسے ہم نے راہ دکھائی یعنی ماں کے پیٹ سے باہر آنے کی لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے اور جمہور سے یہی منقول ہے۔ شَاكِرًا اور كَفُوْرًا کا نصب حال کی وجہ سے ذوالحال لا کی ضمیر ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ میں ہے' یعنی وہ اس حالت میں یا تو شقی ہے یا سعید ہے' جیسے صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر شخص صبح کے وقت اپنے نفس کی خرید فروخت کرتا ہے یا تو اسے ہلاک کر دیتا ہے یا آزاد کرالیتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ نے فرمایا خدا تجھے بیوقوفوں کی سرداری سے بچائے' حضرت کعب نے کہا یا رسول اللہ وہ کیا ہے؟ فرمایا وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر نہ عمل کریں گے نہ میرے طریقوں پر چلیں گے پس جو لوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں اور ان کے ظلم کی امداد کریں وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں' یاد رکھو وہ میرے حوض کوثر پر بھی نہیں آسکتے اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کرے اور ان کے ظلموں میں ان کا مددگار نہ بنے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں یہ لوگ میرے حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے' اے کعب روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اور نماز قرب خدا کا سبب ہے یا فرمایا کہ دلیل نجات ہے' اے کعب وہ گوشت پوست جنت میں نہیں جا سکتا جو حرام سے پلا ہو وہ تو جہنم میں ہی جانے کے قابل ہے' اے کعب لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں کوئی تو اسے آزاد کرالیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گذرتا ہے۔

سورۂ روم کی آیت فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا کی تفسیر میں حضرت جابرؓ کی روایت سے حضور کا یہ فرمان بھی گذر چکا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ زبان چلنے لگتی ہے پھر یا تو شکر گذار بنتا ہے یا ناشکرا' مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ جو نکلنے والا نکلتا ہے اس کے دروازے پر دو جھنڈے ہوتے ہیں ایک فرشتے کے ہاتھ میں دوسرا شیطان کے ہاتھ میں پس اگر وہ اس کام کے لئے نکلا جو خدا کی مرضی کا کام ہے تو فرشتہ اپنا جھنڈا لئے ہوئے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور یہ واپسی تک فرشتے کے جھنڈے تلے ہی رہتا ہے اور اگر خدا کی ناراضگی کے کام کے لئے نکلا ہے تو شیطان اپنا جھنڈا لگائے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور واپسی تک یہ شیطانی جھنڈے تلے رہتا ہے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴿۴﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ
يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿۵﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ
اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۶﴾ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ
شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ﴿۷﴾ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا
وَّاَسِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾ اِنَّا
نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ
الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾

یقیناً ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور شعلوں والی آگ تیار کر رکھی ہے ○ بیشک نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس کی ملونی کافور کی ہے ○ جو ایک چشمہ ہے۔ جس سے اللہ کے بندے پئیں گے اس کی نہریں نکال لی جائیں گی (جدھر چاہیں) ○ جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چوطرف پھیل جانے والی ہے ○ اور اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین یتیم اور قیدیوں کو ○ ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گذاری ○ بے شک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں جو تنگی ترشی اور سختی والا ہوگا ○ پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچا لیا اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی ○ اور انہیں اپنے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے ○

زنجیریں طوق اور شعلے: ☆☆ (آیت:۴-۱۲) یہاں اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے جو بھی اس سے کفر کرے اس کے لئے زنجیریں طوق اور شعلوں والی بھڑکتی ہوئی تیز آگ تیار ہے۔ جیسے اور جگہ ہے اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور بیڑیاں ان کے پاؤں میں ہوں گی اور یہ حمیم میں گھسیٹے جائیں گے پھر جہنم میں جلائے جائیں گے ان بدنصیبوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک لوگوں کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی ملونی کافور نامی نہر کے پانی کی ہوگی ذائقہ بھی اعلیٰ خوشبو بھی عمدہ اور فائدہ بھی بہتر کافور کی سی ٹھنڈک اور سونٹھ کی سی خوشبو۔ کافور ایک نہر کا نام ہے۔ جس سے خدا کے خاص بندے پانی پیتے ہیں اور صرف اسی سے آسودگی حاصل کرتے ہیں اسی لئے یہاں اسے ب سے متعدی کیا اور تمیز کی بنا پر عیناً پر نصب دیا۔ یہ پانی اپنی خوشبو میں مثل کافور کے ہے یا یہ ٹھیک کافور ہی ہے اور عَيْنًا کا زیر یَشْرَبُ کی وجہ سے ہے پھر اس نہر تک انہیں آنے کی ضرورت نہیں یہ اپنے باغات میں مکانات میں مجلسوں میں بیٹھکوں میں جہاں بھی جائیں گے اسے لے جائیں گے اور وہیں وہ پہنچ جائے گی۔ تفجیر کے معنی روانی اور اجرائے ہیں جیسے آیت حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا میں اور فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا میں۔

پھر ان لوگوں کی نیکیاں بیان ہو رہی ہیں کہ جو عبادتیں خدا کی طرف سے ان کے ذمہ تھیں وہ بجا ہی لاتے تھے بلکہ جو چیز یہ اپنے اوپر کر لیتے اسے بھی بجالاتے یعنی نذر بھی پوری کرتے حدیث میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے وہ پوری کرے اور جو نافرمانی کی نذر مانے اسے پوری نہ کرے۔ امام بخاری نے اسے امام مالک کی روایت سے بیان کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بھاگتے رہتے ہیں کیونکہ قیامت کے دن کا ڈر ہے جس کی گھبراہٹ عام طور پر سب کو گھیر لے گی اور ہر ایک ایک الجھن میں پڑ جائے گا مگر جس پر خدا کا رحم ہو

ہو زمین و آسمان تک ہول رہے ہوں گے' اِستِطَار کے معنی ہی ہیں پھیل جانے والی اور اطراف کو گھیر لینے والی' کہ یہ نیک و کار اللہ کی محبت میں مستحق لوگوں پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ بھی کرتے رہتے تھے اور لا کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے طعام کو بھی کہا ہے لفظاً زیادہ ظاہر بھی یہی ہے یعنی باوجود طعام کی محبت اور خواہش وضرورت کے راہ للہ غرباء اور حاجت مندوں کو دے دیتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ یعنی مال کی چاہت کے باوجود اسے راہ للہ دیتے رہتے ہیں۔ اور فرمان ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ یعنی تم ہرگز بھلائی حاصل نہیں کرسکتے جب تک اپنی چاہت کی چیزیں راہ للہ خرچ نہ کرو۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار پڑے آپ کی بیماری میں انگور کا موسم آیا جب انگور بکنے لگے تو آپ کا دل بھی چاہا کہ میں انگور کھاؤں تو آپ کی بیوی صاحبہ حضرت صفیہؓ نے ایک درہم کے انگور منگائے آدمی لے کر آیا اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک سائل بھی آ گیا اور اس نے آواز دی کہ میں سائل ہوں' حضرت عبداللہؓ نے فرمایا یہ سب اسی کو دے دو چنانچہ دے دیئے گئے پھر دوبارہ آدمی گیا اور انگور خرید لایا اب کی مرتبہ بھی سائل آ گیا اور اس کے سوال پر اسی کو سب کے سب انگور دے دیئے گئے لیکن اب کی مرتبہ حضرت صفیہؓ نے سائل کو کہلوا بھیجا کہ اگر اب آئے تو تمہیں کچھ نہ ملے گا چنانچہ تیسری مرتبہ ایک درہم کے انگور منگوائے گے (بیہقی)۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو تو اپنی صحت کی حالت میں باوجود مال کی محبت کے باوجود امیری کی چاہت اور افلاس کے خوف کے راہ للہ دے یعنی مال کی حرص بھی ہو حب بھی ہو اور چاہت وضرورت بھی ہو پھر بھی راہ للہ اسے قربان کردے۔ یتیم اور مسکین کسے کہتے ہیں؟ وغیرہ اس کا مفصل بیان پہلے گذر چکا ہے۔ قیدی کی نسبت حضرت سعید وغیرہ تو فرماتے ہیں مسلمان اہل قبلہ قیدی مراد ہے' لیکن ابن عباسؓ وغیرہ کا فرمان ہے اس وقت قیدیوں میں سوائے مشرکین کے اور کوئی مسلم نہ تھا۔ اور اسی کی تائید اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے بدری قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب کو فرمایا تھا کہ ان کا اکرام کرو چنانچہ کھانے پینے میں صحابہ خود اپنی جانوں سے بھی زیادہ ان کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد غلام ہیں۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بہ سبب آیت کے عام ہونے کے اسی کو پسند کرتے ہیں اور مسلم مشرک سب کو شامل کرتے ہیں غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کی تاکید بہت سی حدیثوں میں آئی ہے بلکہ رسول اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کی آخری وصیت اپنی امت کو یہی ہے کہ نمازوں کی نگہبانی کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کا پورا خیال رکھو۔ یہ اس نیک سلوک کا نہ تو ان لوگوں سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ بلکہ اپنے حال سے گویا اعلان کردیتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف راہ للہ دیتے ہیں اس میں ہماری ہی بہتری ہے کہ اس سے رضائے رب اور مرضی مولا ہمیں حاصل ہو جائے ہم ثواب اور اجر کے مستحق ہو جائیں۔

حضرت سعید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں خدا کی قسم یہ بات وہ لوگ منہ سے نہیں نکالتے یہ دلی ارادہ ہوتا ہے جس کا علم خدا کو ہے تو خدا نے اسے ظاہر فرما دیا کہ اور لوگوں کی رغبت کا باعث بنے' یہ پاک باز جماعت خیرات وصدقات کر کے اس دن کے عذابوں اور ہولناکیوں سے بچنا چاہتی ہے جو ترش رو تنگ وتاریک اور طول طویل ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اس بنا پر خدا پر رحم کرے گا اور اس محتاجی اور بے کسی والے دن ہمیں ہماری یہ نیکیاں کام آئیں گی۔ حضرت ابن عباسؓ سے عَبُوْس کے معنی تنگی والا اور قَمْطَرِيْر کے معنی طول طویل مروی ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کافر کا منہ اس دن بگڑ جائے گا اس کی تیوری چڑھ جائے گی اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے عرق بہنے لگے گا جو مثل روغن گندھک کے ہوگا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ہونٹ چڑھ جائیں گے اور چہرہ سمٹ جائے گا۔ حضرت سعیدؒ اور حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ بوجہ

گھبراہٹ اور ہولنا کیوں کے صورت بگڑ جائے گی پیشانی تنگ ہو جائے گی۔

ابن زیدؒ فرماتے ہیں برائی اور سختی والا دن ہوگا لیکن سب سے واضح بہتر نہایت مناسب بالکل ٹھیک قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قمطریر کے لغوی معنی امام ابن جریرؒ نے شدید کے کئے ہیں یعنی بہت سختی والا۔ ان کی اس نیک نیتی اور پاک عمل کی وجہ سے خدا نے انہیں اس دن کی برائی سے بال بال بچا لیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں بجائے ترش روئی کے خندہ پیشانی اور بجائے دل کی ہولنا کی سے اطمینان و سرور قلب عطا فرمایا۔ خیال کیجئے کہ یہاں عبارت میں کس قدر بلیغ تجانس کا استعمال کیا گیا ہے اور جگہ ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ اس دن بہت سے چہرے چمکیلے ہوں گے جو ہنستے ہوئے اور خوشیاں مناتے ہوئے ہوں گے' یہ ظاہر ہے کہ جب دل مسرور ہوگا تو چہرہ کھلا ہوا ہوگا۔ حضرت کعب بن مالکؓ کی لمبی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کو جب کبھی کوئی خوشی ہوتی تو آپ کا چہرہ چمکنے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی لمبی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ میرے پاس آئے چہرہ خوشی سے منور ہو رہا تھا اور مکھڑے مبارک کی رگیں چمک رہی تھیں۔ پھر فرماتا ہے ان کے صبر کے اجر میں انہیں رہنے سہنے کو وسیع جنت پاک زندگی اور پہننے اوڑھنے کو ریشمی لباس ملا۔ ابن عساکر میں ہے کہ ابوسلیمان درانی کے سامنے اس سورت کی تلاوت ہوئی جب قاری نے اس آیت کو پڑھا تو آپ نے فرمایا انہوں نے دنیاوی خواہشوں کو چھوڑ کر کہا تھا پھر یہ اشعار پڑھے۔

كَمْ قَتِيلٍ لَشَهْوَةٍ وَاَسِيرٍ ... اُفٍّ مِنْ مُّشْتَهِي خِلَافِ الْجَمِيلٖتِ

شَهْوَةُ الْاِنْسَانِ تُوْرِثُهُ الذُّلَّتِ ... وَتُلْقِيهِ فِي الْبَلَاءِ الطَّوِيلِ

افسوس شہوت نفس نے اور بھلائیوں کے خلاف برائیوں کی چاہت نے بہت سوں کا گلا گھونٹ دیا اور کئی ایک کو پابجولاں کر دیا نفسانی خواہشیں ہی ہیں جو انسان کو بدترین ذلت و رسوائی اور بلا و مصیبت میں ڈال دیتی ہیں۔

مُّتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا۠ ﴿١٥﴾

یہ وہاں تختوں پر تکئے لگائے ہوئے بیٹھیں گے' نہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں نہ جاڑے کی سختی ○ ان جنتوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے میوے دار گچھے نیچے لٹکائے ہوئے ہوں گے ○ اور ان پر چاندی کے برتنوں اور ان جاموں کا دور کرایا جائے گا جو شیشے کے ہوں گے ○

دائمی خوشگوار موسم اور مسرتوں سے بھرپور زندگی: ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۶) اہل جنت کی نعمت' راحت' ان کے ملک و مال اور جاہ و منال کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ بہ آرام تمام پورے اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ جنت کے مرصع اور مزین جڑاؤ تختوں پر بے فکری سے تکئے لگائے سرور اور راحت سے بیٹھے مزے لوٹ رہے ہوں گے' سورۂ والصافات کی تفسیر میں اس کی پوری شرح گذر چکی ہے وہیں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اتّکا سے مراد لیٹنا ہے یا کہنیاں ٹکانا ہے یا چار زانو بیٹھنا ہے یا کمر لگا کر ٹیک لگانا ہے اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اَرَائِك چھپر کھٹوں کو کہتے ہیں پھر ایک اور نعمت بیان ہو رہی ہے کہ وہاں نہ تو سورج کی تیز شعاؤں سے انہیں کوئی تکلیف پہنچے نہ جاڑے کی بہت سرد ہوائیں انہیں ناگوار گذریں بلکہ بہار کا سا موسم ہر وقت اور ہمیشہ رہتا ہے' گرمی سردی کے جھمیلوں سے الگ ہیں' جنتی درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر ان پر

سایہ کئے ہوئے ہوں گی اور میوے ان سے بالکل قریب ہوں گے' چاہے لیٹے لیٹے توڑ کھالیں چاہے بیٹھے بیٹھے لے لیں' چاہے کھڑے ہو کر لے لیں' درختوں پر چڑھنے کی اور تکلیف کی کوئی حاجت نہیں سروں پر میوے دار گچھے اور لدے ہوئے گچھے لٹک رہے ہیں توڑا اور کھالیا اگر کھڑے ہیں تو میوے اتنے اونچے ہیں بیٹھے تو قدرے جھک گئے لیٹے تو اور قریب آ گئے نہ تو کانٹوں کی رکاوٹ نہ دوری کی سر دردی ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اس کی مٹی مشک خالص ہے اس کے درختوں کے تنے سونے چاندی کے ہیں' ڈالیاں لولوز برجد اور یاقوت کی ہیں ان کے درمیان پتے اور پھل ہیں جن کے توڑنے میں کوئی دقت اور مشکل نہیں' چاہو بیٹھے بیٹھے توڑ لو چاہو کھڑے کھڑے بلکہ اگر چاہیں لیٹے لیٹے۔ ایک طرف خوش خرام خوش دل خوبصورت باادب سلیقہ شعار فرمانبردار خادم قسم قسم کے کھانے چاندی کی کشتیوں میں لگائے لئے کھڑے ہیں دوسری جانب شراب طہور سے چھلکتے ہوئے بلورین جام لئے ساقیان مہ وش اشارے کے منتظر ہیں' یہ گلاس صفائی میں شیشے جیسے اور سفیدی میں چاندی جیسے ہوں گے دراصل ہوں گے چاندی کے لیکن شیشے کی طرح شفاف ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے نظر آئے' جنت کی تمام چیزوں کی یونہی سی برائے نام مشابہت دنیا کی چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ان چاندی کے بلورین گلاسوں کی کوئی نظیر نہیں ملتی' ہاں یہ یاد رہے کہ پہلے کے لفظ قَوَارِیْرَ پر زبر تو اس لئے ہے کہ وہ کان کی خبر ہے اور دوسرے پر زبر یا تو بدلیت کی بنا پر ہے یا تمیز کی بنا پر۔ پھر یہ جام اپنے تلے ہوئے ہیں ساقی کے ہاتھ میں بھی زیب دیں اور ان کی ہتھیلیوں پر بھلے معلوم ہوں اور پینے والوں کی حسب خواہش شراب طہور اس میں سما جائے جو نہ بچے نہ گھٹے۔ ان نایاب گلاسوں میں جو پاک خوش ذائقہ اور سرور والی بے نشے کی شراب انہیں ملے گی وہ جنت کی نہر سَلْسَبِیْل کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی' اوپر گذر چکا ہے کہ نہر کافور کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی تو مطلب یہ ہے کبھی اس ٹھنڈک والے سرد مزاج پانی سے کبھی اس نفیس گرم مزاج پانی سے تاکہ اعتدال قائم رہے' یہ ابرار لوگوں کا ذکر ہے اور خاص مقربین خالص اس نہر کا شربت پئیں گے۔

قَوَارِيرَا۟ مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا
كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوفُ
عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿١٩﴾ وَإِذَا
رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾ عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ
خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوٓا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ وَسَقَىٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا
طَهُورًا ﴿٢١﴾ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ﴿٢٢﴾ ع

شیشے بھی چاندی کے جن کو ساقی نے اندازے سے ناپ رکھا ہے ○ اور انہیں وہاں جام پلائے جائیں گے جن کی ملونی زنجبیل کی ہوگی ○ جو جنت کی ایک نہر ہے جس کا نام سلسبیل ہے ○ اور ان کے اردگرد گھومتے پھرتے ہیں وہ کم سن بچے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں' جب تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے سچے موتی ہیں ○ تو وہاں یہاں کہیں بھی نظر ڈال سراسر نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی دیکھے گا ○ ان کے جسموں پر سبز مہین اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے' اور انہیں چاندی کے کنگن کا زیور پہنایا جائے گا' اور انہیں ان کا رب پاک صاف شراب پلائے گا ○ یہ ہے تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری کوششوں کی قدر دانی ○

(آیت: ۱۷-۲۲) سلسبیل بقول عکرمہؒ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے کیونکہ وہ تیزی کے ساتھ مسلسل روانگی سے لہریا چال بہ رہا ہے اس کا پانی بڑا ہلکا نہایت شیریں خوش ذائقہ اور خوش بو ہے جو آسانی سے پیا جائے اور سہتا پچتا رہے۔ ان نعمتوں کے ساتھ ہی خوبصورت حسین نوخیز کم عمر لڑکے ان کی خدمت کے لئے کمربستہ ہوں گے' یہ غلمان جنتی جس سن وسال میں ہوں گے اسی میں رہیں گے یہ نہیں کہ سن بڑھ کر صورت بگڑ جائے' یہ نفیس پوشاکیں اور بیش قیمت جڑاؤ زیور پہنے بہ تعداد کثیر ادھر ادھر مختلف کاموں پر جتے ہوئے ہوں گے جنہیں دوڑے بھاگے مستعدی اور چالاکی سے انجام دے رہے ہوں گے ایسا معلوم ہوگا گویا سفید آب دار موتی ادھر ادھر جنت میں بکھرے پڑے ہیں۔ حقیقت میں اس سے زیادہ سچی تشبیہ ان کے لئے کوئی اور نہ تھی کہ یہ صاحب جمال خوش خصال بوٹے سے قد والے سفید نورانی چہروں والے پاک صاف سجی ہوئی پوشاکیں پہنے زیور میں لدے اپنے مالک کی فرمانبرداری میں دوڑتے بھاگتے ادھر ادھر پھرتے ایسے بھلے معلوم ہوں گے جیسے سجائے پرتکلف فرش پر سفید چمکیلے سچے موتی ادھر ادھر لڑھک رہے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر ہر جنتی کے ایک ہزار خادم ہوں گے جو مختلف کام کاج میں لگ رہے ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے اے نبیؐ تم جنت کی جس جگہ نظر ڈالو تمہیں نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی سلطنت نظر آئے گی' تم دیکھو گے کہ راحت وسرور نعمت ونور سے چپہ چپہ معمور ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے آخر میں جو جہنم میں سے نکالا جائے گا اور جنت میں بھیجا جائے گا اس سے جناب باری تبارک وتعالیٰ فرمائے گا جا میں نے تجھے جنت میں وہ دیا جو مثل دنیا کے ہے بلکہ اس سے بھی دس حصے زیادہ دیا' اور حضرت ابن عمر کی روایت سے وہ حدیث بھی پہلے گذر چکی ہے جس میں ہے کہ ادنیٰ جنتی کی ملکیت وملک دو ہزار سال تک ہوگا ہر قریب وبعید کی چیز پر اس کی بہ یک نظر یکساں نگاہیں ہوں گی' یہ حال تو ہے ادنیٰ جنتی کا پھر سمجھ لو کہ اعلیٰ جنتی کا درجہ کیا ہوگا؟ اور اس کی نعمتیں کیسی ہوں گی (اے خدا اے بغیر ہماری دعا اور عمل کے ہمیں شیر مادر کے چشمے عنایت کرنے والے ہم بہ عاجزی والحاح تیری پاک جناب میں عرض گذار ہیں کہ تو ہماری للچائی ہوئی طبیعت کے ارمانوں کو پورا کر اور ہمیں بھی جنت الفردوس نصیب فرما۔ گو ایسے اعمال نہ ہوں لیکن ایمان ہے کہ تیری رحمت اعمال پر ہی موقوف نہیں آمین۔ مترجم)

طبرانی کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں وارد ہے کہ ایک حبشی دربار رسالت میں حاضر ہوا آپؐ نے اسے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو جس بات کو سمجھ ہو پوچھ لو' اس نے کہا یا رسول اللہ صورت شکل میں رنگ روپ میں نبوۃ ورسالت میں آپ کو ہم پر فضیلت دی گئی ہے اب یہ تو فرمایئے کہ اگر میں بھی ان چیزوں پر ایمان لاؤں جن پر آپ ایمان لائے ہیں اور جن پر آپ عمل کرتے ہیں اگر میں بھی اسی پر عمل کروں تو کیا جنت میں آپ کے ساتھ ہوسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سیاہ رنگ لوگوں کو جنت میں وہ سفید رنگ دیا جائے گا کہ ایک ہزار سال کے فاصلے سے دکھائی دے گا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے اس کے لئے خدا کے پاس عہد مقرر ہو جاتا ہے اور جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں تو ایک شخص نے کہا پھر یا رسول اللہ ہم کیسے ہلاک ہو جائیں گے؟ آپ نے فرمایا سنو ایک شخص اتنی نیکیاں لائے گا کہ اگر کسی بڑے پہاڑ پر رکھی جائیں تو اس پر بوجھل پڑیں لیکن پھر جو خدا کی نعمتیں اس کے مقابل آئیں گی تو قریب ہوگا کہ سب فنا ہو جائیں مگر یہ اور بات ہے کہ رحمت رب توجہ فرمائے' اس وقت یہ سورت مُلْكًا كَبِيرًا تک اتری تو اسی حبشی نے کہا کہ اے حضورؐ جو کچھ آپ کی آنکھیں جنت میں دیکھیں گی کیا میری آنکھیں بھی دیکھیں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں' بس وہ رونے لگا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اسے دفن کیا رضی اللہ عنہ۔ پھر اہل جنت کے لباس کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ سبز ہرے رنگ کا مہین اور چمکدار ریشم ہوگا' سندس اعلیٰ درجہ کا خالص نرم ریشم جو بدن سے لگا ہوا ہوگا اور استبرق عمدہ بیش بہا گراں قدر ریشم جس میں چمک دمک ہوگی جو اوپر پہنایا جائے گا ساتھ ہی چاندی کے کنگن ہاتھوں میں ہوں گے یہ لباس ابرار کا ہے۔ اور مقربین خاص کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ انہیں سونے کے کنگن ہیرے جڑے پہنائے جائیں گے اور خالص نرم صاف ریشمی لباس ہوگا۔ ان ظاہری جسمانی استعمالی نعمتوں کے ساتھ ہی انہیں پر کیف بالذت سرور والی پاک اور پاک کرنے والی شراب پلائے جائے گی جو تمام ظاہری باطنی برائی دور کر دے' حسد' کینہ' بدخلقی' غصہ وغیرہ سب دور کر دے۔ جیسے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اہل جنت جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو انہیں دو نہریں نظر آئیں گی اور انہیں از خود خیال پیدا ہوگا ایک کا وہ پانی پئیں گے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا سب دور ہو جائے گا دوسری میں غسل کریں گے جس سے چہرے ترو تازہ ہشاش بشاش ہو جائیں گے' ظاہری اور باطنی خوبی دونوں انہیں بدرجہ کمال حاصل ہوں گی جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔ پھر ان سے ان کے دل خوش کرنے اور ان کی خوشی دوبالا کرنے کو بار بار کہا جائے گا کہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ اور تمہاری بھلی کوشش کی قدر دانی ہے' جیسے اور جگہ ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ دنیا میں جو اعمال تم نے کئے ان کی نیک جزا میں آج تم خوب سہتا پچتا بہ آرام و اطمینان کھاتے پیتے رہو اور فرمان ہے وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی منادی کئے جائیں گے کہ ان جنتوں کا وارث تمہیں تمہاری نیک کرداریوں کی بنا پر بنایا گیا ہے' یہاں بھی فرمایا ہے تمہاری سعی مشکور ہے تھوڑے عمل پر بہت اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے کرے آمین۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ
وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿۲۵﴾
وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ
الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَا
اَسْرَهُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِیْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ
اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۳۰﴾ یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمِیْنَ
اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۳۱﴾ ع ۹

تحقیق ہم نے تجھ پر بتدریج قرآن نازل کیا ○ پس تو اپنے رب کے حکم پر قائم رہ اور ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کا کہنا نہ مان ○ اور اپنے رب کے نام کا صبح شام ذکر کیا کر ○ اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کر ○ بیشک یہ لوگ دنیا کو چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑے دیتے ہیں ○ ہم نے انہیں پیدا کیا اور ہمیں نے ان کے بندھن مضبوط کئے اور ہم جب چاہیں ان کے عوض ان جیسے اوروں کو بدل لائیں ○

یقیناً یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ لے لے ○ اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ چاہے بیشک اللہ تعالیٰ دانا اور با حکمت ہے ○ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے اور دردناک عذاب کی تیاری تو صرف گنہگاروں کے لئے ہے ○

اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کا باہم عہد و معاملات : ☆☆ (آیت: ۲۳-۳۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر اپنا خاص کرم جو کیا ہے اسے یاد دلاتا ہے کہ ہم نے تجھ پر بہ تدریج تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن کریم نازل فرمایا اب اس اکرام کے مقابلہ میں تمہیں بھی چاہئے کہ میری راہ میں صبر سہار سے کام لو میری قضا و قدر پر صابر شاکر رہو' دیکھو تو سہی کہ میں اپنی حسن تدبیر سے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچاتا ہوں- ان کافروں منافقوں کی باتوں میں نہ آنا گو یہ تبلیغ سے روکیں لیکن تم نہ رکنا' بلا رو و رعایت بغیر مایوسی اور تکان کے ہر وقت وعظ نصیحت ارشاد و تلقین سے غرض رکھو' میری ذات پر بھروسہ رکھو میں تمہیں لوگوں کی ایذا سے بچاؤں گا' تمہاری عصمت کا ذمہ دار میں ہوں- فاجر کہتے ہیں بداعمال عاصی کو اور کفور کہتے ہیں دل کے منکر کو دن کے اول آخر کے حصے میں رب کا نام جپا کرو' راتوں کو تہجد کی نماز پڑھو اور دیر تک خدا کی تسبیح کرو جیسے اور جگہ فرمایا وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِہٖ رات کو تہجد پڑھو عنقریب تمہیں تمہارا رب مقام محمود میں پہنچائے گا- سورۂ مزمل کے شروع میں فرمایا اے لحاف اوڑھنے والے رات کا قیام کیا کر مگر تھوڑی رات آدھی یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ترتیل سے پڑھ- پھر کفار کو روکتا ہے کہ حب دنیا میں پھنس کر آخرت کو ترک نہ کرو' وہ بڑا بھاری دن ہے' اس فانی دنیا کے پیچھے پڑ کر اس خوفناک دن کی دشواریوں سے غافل ہو جانا عقلمندی کا کام نہیں-

پھر فرماتا ہے سب کے خالق ہم ہیں اور سب کی مضبوط پیدائش اور قوی قوی ہم نے ہی بنائے ہیں اور ہم بالکل ہی قادر ہیں کہ قیامت کے دن انہیں بدل کر نئی پیدائش میں پیدا کر دیں' یہاں ابتداء آفرینش کو اعادہ کی دلیل بنایا ہے- اور اس آیت کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر ہم چاہیں اور جب چاہیں ہمیں قدرت حاصل ہے کہ انہیں فنا کر دیں مٹا دیں اور ان جیسے دوسرے انسانوں کو ان کے قائم مقام کر دیں- جیسے اور جگہ ہے اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ اگر خدا چاہے تو اے لوگو تم سب کو برباد کر دے اور دوسرے لائے اللہ تعالیٰ اس پر ہر آن قادر ہے' اور جگہ فرمایا اگر چاہے تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق لائے خدا پر یہ گراں نہیں-

پھر فرماتا ہے یہ سورت سراسر عبرت و نصیحت ہے جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کر کے خدا سے ملنے کی راہ پر چلنے لگ جائے' جیسے اور جگہ فرمان ہے وَمَاذَا عَلَیْهِمْ ان پر کیا بوجھ پڑ جاتا اگر یہ خدا کو' قیامت کو مان لیتے- پھر فرمایا بات یہ ہے کہ جب تک خدا نہ چاہے تمہیں ہدایت کی چاہت ہی نہ ہو گی' اللہ علیم و حکیم ہے مستحقین ہدایت کو وہ ہدایت کی راہیں آسان کر دیتا ہے اور ہدایت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور جو اپنے تئیں مستحق ضلالت بنا لیتا ہے اسے وہ ہدایت سے ہٹا دیتا ہے' ہر کام میں اس کی حکمت بالغہ اور حجت نامہ ہے- جسے چاہے اپنی رحمت تلے لے لے اور راہ راست پر کھڑا کر دے اور جسے چاہے بے راہ چلنے دے اور راہ راست نہ سمجھائے' اس کی ہدایت نہ تو کوئی کھو سکے نہ اس کی گمراہی کو کوئی راستی سے بدل سکے' اس کے عذاب ظالموں اور ناانصافیوں سے ہی مخصوص ہیں-

الحمد للہ سورۂ انسان کی تفسیر بھی ختم ہوئی' اللہ کا شکر ہے-

تفسیر سورۃ والمرسلات

(تفسیر سورۂ والمرسلات) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ کے غار میں تھے جب یہ سورت اتری حضورؐ اس کی تلاوت کر رہے تھے اور میں آپ سے سن کر یاد کر رہا تھا کہ ناگہاں ایک سانپ ہم پر کودا' حضورؐ نے فرمایا اسے مارو ہم گو جھپٹے لیکن وہ نکل گیا تو آپ نے فرمایا تمہاری سزا سے وہ بچ گیا جیسے تم اس کی برائی سے محفوظ رہے (بخاری مسلم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ صاحبہ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو مغرب کی نماز میں اس سورت کی

قرات کرتے ہوئے سنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سورت کو پڑھتے ہوئے سن کر مائی صاحبہ نے فرمایا پیارے بچے آج تو تم نے یاد دلا دیا میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس سورت کو مغرب کی نماز میں پڑھتے ہوئے آخری مرتبہ سنا ہے (بخاری و مسلم و مسند احمد)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾
فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا
تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾
وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾
لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾

معافی دینے والے رحم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع

دل خوش کن ہلکی ہواؤں کی قسم ○ پھر زور سے جھونکا دینے والیوں کی قسم ○ پھر ابر کو ابھار کر پراگندہ کرنے والیوں کی قسم ○ پھر حق و باطل کو جدا جدا کر دینے والے ○ اور وحی لانے والے فرشتوں کی قسم ○ جو الزام اتارتے یا آگاہ کر دینے کو ہوتی ہے ○ کہ تم جس چیز کا وعدہ دیئے جاتے ہو وہ یقیناً ہونے والی ہے ○ پس جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں ○ اور جب آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے ○ اور جب پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑائے جائیں ○ اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر لایا جائے گا ○ اس دن کے لئے (انہیں) ٹھہرایا گیا ہے؟ ○ فیصلے کے دن کے لئے اور تجھے کیا معلوم؟ ○ فیصلے کا دن کیا ہے؟ ○ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے ○

فرشتوں اور ہواؤں کی اقسام: ☆☆ (آیت: ۱-۱۵) بعض بزرگ صحابہ تابعین وغیرہ سے تو مروی ہے کہ مذکورہ بالا قسمیں ان اوصاف والے فرشتوں کی کھائی ہیں بعض کہتے ہیں پہلے کی چار قسمیں تو ہواؤں کی ہیں اور پانچویں قسم فرشتوں کی ہے' بعض نے توقف کیا ہے کہ وَالْمُرْسَلَات سے مراد یا تو فرشتے ہیں یا ہوائیں ہیں ہاں وَالْعَاصِفَاتِ میں کہا ہے کہ اس سے مراد تو ہوائیں ہی ہیں' بعض عاصفات میں یہ فرماتے ہیں اور ناشرات میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے' یہ بھی مروی ہے کہ ناشرات سے مراد بارش ہے بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرسلات سے مراد ہوائیں ہے۔ جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ یعنی ہم نے ہوائیں چلائیں جو ابر کو بوجھل کرنے والیاں ہیں' اور جگہ ہے يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا اپنی رحمت سے پیشتر اس کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہوائیں وہ چلاتا ہے۔ عاصفات سے بھی مراد ہوائیں ہیں وہ نرم ہلکی اور بھینی بھینی ہوائیں تھیں یہ ذرا تیز جھونکوں والی اور آواز والی ہوائیں ہیں نَاشِرَات سے مراد بھی ہوائیں ہیں جو بادلوں کو آسمان میں ہر چہار سو پھیلا دیتی ہیں اور جدھر خدا کا حکم ہوتا ہے انہیں لے جاتی ہیں فَارِقَات اور مُلْقِيٰت سے مراد البتہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسولوں پر وحی لے کر آتے ہیں جس سے حق و باطل حلال و حرام میں ضلالت و ہدایت میں امتیاز اور فرق ہو جاتا ہے تاکہ لوگوں کے عذر ختم ہو جائیں اور منکرین کو تنبیہ ہو جائے۔

ان قسموں کے بعد فرمان ہے کہ جس قیامت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے جس دن تم سب کے سب اول آخر والے اپنی اپنی قبروں سے

دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور اپنے کرتوت کا پھل پاؤ گے نیکی کی جزا اور بدی کی سزا' صور پھونک دیا جائے گا اور ایک چٹیل میدان میں تم سب جمع کر دیئے جاؤ گے یہ وعدہ یقیناً حق ہے اور ہو کر رہنے والا اور لازمی طور پر آنے والا ہے' اس دن ستاروں کا نور اور ان کی چمک دمک ماند پڑ جائے گی- جیسے فرمایا وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ اور فرمایا وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے یہاں تک کہ نام نشان بھی باقی نہ رہے گا' جیسے اور جگہ ہے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ اور فرمایا وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ یعنی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے اور اس دن وہ چلنے لگیں گے بالکل نام و نشان مٹ جائے گا اور زمین ہموار بغیر اونچ نیچ کی رہ جائے گی اور رسولوں کو جمع کیا جائے گا اس وقت مقررہ پر انہیں لایا جائے گا- جیسے اور جگہ ہے يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ اس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے شہادتیں لے گا- جیسے اور جگہ ہے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی' نامہ اعمال دے دیئے جائیں گے' نبیوں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا اور حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کئے جائیں گے اور کسی پر ظلم نہ ہوگا- پھر فرماتا ہے کہ ان رسولوں کو ٹھہرایا گیا تھا اس لئے کہ قیامت کے دن فیصلے ہوں گے' جیسے فرمایا فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ الخ یہ خیال نہ کر کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ بڑے غلبہ والا اور انتقام والا ہے جس دن یہ زمین بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب کے سب اللہ وحدہ قہار کے سامنے پیش ہو جائیں گے اسی کو یہاں فیصلے کا دن کہا گیا پھر اس دن کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا میرے معلوم کرائے بغیر اے نبی تم بھی اس دن کی حقیقت سے باخبر نہیں ہو سکتے' اس دن ان جھٹلانے والوں کی سخت خرابی ہے- ایک غیر صحیح حدیث میں یہ بھی گذر چکا ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے-

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾

کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا؟ ○ پھر ہم ان کے بعد پچھلوں کو لائے ○ ہم گنہگاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں ○ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ویل ہے ○ کیا ہم نے تمہیں ذلیل پانی سے پیدا نہیں کیا؟ ○ پھر ہم نے اسے مضبوط و محفوظ جگہ میں رکھا ○ ایک مقررہ وقت تک ○ پھر ہم نے اندازہ کیا اور ہم کتنا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں ○ اس دن تکذیب کرنے والوں کی خرابی ہے ○ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنائی؟ ○ زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی ○ اور ہم نے اس میں بلند و بھاری پہاڑ بنا دیئے اور تمہیں سیراب کرنے والا میٹھا پانی پلایا ○ اس روز جھوٹ جاننے والو پروائے اور افسوس ہے ○

حسرت وافسوس کا وقت آنے سے پہلے: ☆☆ (آیت: ۱۶-۲۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم سے پہلے بھی جن لوگوں نے میرے رسولوں کی رسالت کو جھٹلایا میں نے انہیں تہس نہس کر دیا پھر ان کے بعد اور آئے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا اور ہم نے بھی انہیں اسی طرح غارت کر دیا' ہم مجرموں کی غفلت کا یہی بدلہ دیتے چلے آئے ہیں- اس دن ان جھٹلانے والوں کی درگت ہوگی' پھر اپنی مخلوق کو اپنا احسان یاد دلاتا ہے

اور منکرین قیامت کے سامنے دلیل پیش کرتا ہے کہ ہم نے اسے حقیر اور ذلیل قطرے سے پیدا کیا جو خالق کائنات کی قدرت کے سامنے ناچیز محض تھا' جیسے سورۂ یٰس کی تفسیر میں گذر چکا کہ اے ابن آدم بھلا تو مجھے کیا عاجز کر سکے گا میں نے تو تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے پھر اس قطرے کو ہم نے رحم میں جمع کیا جو اس پانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے اسے بڑھاتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے مدت مقررہ تک وہیں رہا یعنی چھ مہینے یا نو مہینے' ہمارے اس اندازے کو دیکھو کہ کس قدر صحیح اور بہترین ہے پھر بھی اگر تم اس آنے والے دن کو نہ مانو تو یقین جانو کہ تمہیں قیامت کے دن بڑی حسرت اور سخت افسوس ہوگا - پھر فرمایا کیا ہم نے زمین کو یہ خدمت سپرد نہیں کی؟ کہ وہ تمہیں زندگی میں بھی اپنی پیٹھ پر چلاتی رہے اور موت کے بعد بھی تمہیں اپنے پیٹ میں چھپا رکھے' پھر زمین کے نہ ہلنے جلنے کے لئے ہم نے مضبوط وزنی بلند پہاڑ اس میں گاڑ دیئے اور بادلوں سے برستا ہوا اور چشموں سے رستا ہوا ہلکا زود ہضم خوش گوار پانی ہم نے تمہیں پلایا' ان نعمتوں کے باوجود بھی اگر تم میری باتوں کو جھٹلاتے ہی رہے تو یاد رکھو وہ وقت آ رہا ہے جب حسرت وافسوس کرو اور کچھ کام نہ آئے -

انْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۲۹ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ
ثَلٰثِ شُعَبٍ ۳۰ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ۳۱ اِنَّهَا تَرْمِيْ
بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۳۲ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۳۳ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۳۴
هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۳۵ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۳۶ وَيْلٌ
يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۳۷ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۳۸
فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ۳۹ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۴۰ ع

اس دوزخ کی طرف جاؤ جسے تم جھٹلاتے رہے تھے ○ چلو تین شاخوں والے سائے کی طرف ○ جو دراصل نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا ہے ○ یقیناً دوزخ چنگاریاں پھینکتی ہے جو مثل قلعہ کے ہیں ○ گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں ○ آج ان جھوٹ جاننے والوں کو درگت ہے ○ آج کا دن وہ دن ہے کہ یہ بول بھی نہ سکیں گے ○ نہ انہیں عذر معذرت کی اجازت دی جائے گی ○ آج جھوٹا جاننے والوں کو خرابی ہے ○ یہ ہے فیصلے کا دن ہم نے تمہیں اور اگلوں کو سب کو جمع کر لیا ہے ○ پس اگر تم مجھ سے کوئی چال چل سکتے ہو تو چل لو ○ وائے ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ○

جہنم کے شعلے سیاہ اونٹوں اور دہکتے تانبے کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے: ☆☆ (آیت:۲۹-۴۰) جو کفار قیامت کے دن کو اور جزا سزا کو جنت دوزخ کو جھٹلاتے تھے ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ لو جسے سچا نہ مانتے تھے وہ سزا اور وہ دوزخ یہ موجود ہے' اس میں جاؤ' اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اونچے ہو ہو کر ان میں تین پھانکیں کھل جاتی ہیں تین حصے ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی دھواں بھی اوپر کو چڑھتا ہے جس سے نیچے کی طرف چھاؤں پڑتی ہے اور سایہ معلوم ہوتا ہے لیکن فی الواقع نہ تو وہ سایہ ہے نہ آگ کی حرارت کو کم کرتا ہے - یہ جہنم اتنی تیز تند سخت اور بہ کثرت آگ والی ہے کہ اس کی چنگاریاں جو اڑتی ہیں وہ بھی مثل قلعہ کے اور تناور درخت کے مضبوط لمبے چوڑے تنے کے ہیں دیکھنے والے کو یہ جچتا ہے کہ گویا وہ سیاہ رنگ اونٹ ہیں یا کشتیوں کے رسے ہیں یا تانبے کے ٹکڑے ہیں - حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم جاڑے کے موسم میں تین تین ہاتھ کی یا کچھ زیادہ لمبی لکڑیاں لے کر انہیں بلند کر لیتے اسے ہم قصر کہا کرتے تھے - کشتی کی رسیاں جب اکٹھی ہو جاتی ہیں تو خاصی اونچی قد آدم کے برابر ہو جاتی ہیں اسی کو یہاں مراد لیا گیا ہے - ان جھٹلانے والوں پر حسرت وافسوس

ہے آج نہ یہ بول سکیں گے اور نہ انہیں عذر و معذرت کرنے کی اجازت ملے گی کیونکہ ان پر حجت قائم ہو چکی اور ظالموں پر خدا کی بات ثابت ہو گئی اب انہیں بولنے کی اجازت نہیں' یہ یاد رہے کہ قرآن کریم میں ان کا بولنا مکرنا چھپانا عذر کرنا بھی بیان ہوا ہے تو مطلب یہ ہے کہ حجت قائم ہونے سے پہلے عذر معذرت وغیرہ پیش کریں گے جب سب توڑ دیا جائے گا اور دلیلیں پیش ہو جائیں گی تو اب بول چال عذر معذرت ختم ہو جائے گی غرض میدان حشر کے مختلف مواقع اور لوگوں کی مختلف حالتیں ہیں' کسی وقت یہ کسی وقت وہ' اسی لئے یہاں ہر کلام کے خاتمہ پر جھٹلانے والوں کی خرابی کی خبر دے دی جاتی ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ فیصلے کا دن ہے اگلے پچھلے سب یہاں جمع ہیں اگر تم کسی چالاکی اور مکاری سے ہوشیاری اور فریب دہی سے میرے قبضے سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ پوری کوشش کر لو۔ خیال فرمایئے کہ کس قدر دل ہلا دینے والا فقرہ ہے' پروردگار عالم خود قیامت کے دن ان منکروں سے فرمائے گا کہ اب خاموش کیوں ہو؟ وہ چلت پھرت چالاکی اور بے باکی کیا ہوئی؟ دیکھو میں نے تم سب کو ایک میدان میں حسب وعدہ جمع کر دیا آج اگر کسی حکمت سے مجھ سے چھوٹ سکتے ہو تو کمی نہ کرو۔ جیسے اور جگہ ہے یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی اے جن وانس کے گروہ اگر تم آسمان و زمین کے کناروں سے باہر چلے جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ مگر اتنا سمجھ لو کہ بغیر قوت کے تم باہر نہیں جا سکتے اور وہ تم میں نہیں۔

اور جگہ ہے وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا یعنی تم خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو نہ تو تمہیں مجھے نفع پہنچانے کا اختیار ہے نہ نقصان پہنچانے کا نہ تم مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہو نہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو۔ حضرت ابو عبداللہ جدلیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس گیا دیکھا کہ وہاں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں میں بھی بیٹھ گیا تو میں نے سنا کہ حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک چٹیل صاف میدان میں جمع کرے گا' آواز دینے والا آواز دے کر سب کو ہوشیار کر دے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج کا دن فیصلوں کا دن ہے' تم سب اگلے پچھلوں کو میں نے جمع کر دیا ہے اب میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ کوئی دغا فریب مکر حیلہ کر سکتے ہو تو کر لو' سنو متکبر سرکش منکر اور جھٹلانے والا آج میری پکڑ سے بچ نہیں سکتا اور نہ کوئی نافرمان شیطان میرے عذابوں سے نجات پا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لو ایک حدیث میں بھی سنا دوں اس دن جہنم اپنی گردن دراز کر کے لوگوں کے بیچوں بیچ پہنچا کر بہ آواز بلند کہے گی اے لوگو تین قسم کے لوگوں کو ابھی ہی پکڑ لینے کا مجھے حکم مل چکا ہے میں انہیں خوب پہچانتی ہوں کوئی باپ اپنی اولاد کو اور کوئی بھائی اپنے بھائی کو اتنا نہ جانتا ہو گا جتنا میں انہیں پہچانتی ہوں' آج نہ تو وہ مجھ سے کہیں چھپ سکتے ہیں نہ کوئی انہیں چھپا سکتا ہے۔ ایک تو وہ جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک کیا ہو دوسرے وہ جو منکر اور متکبر ہو اور تیسرے وہ جو نافرمان شیطان ہو پھر وہ مڑ مڑ کر چن چن کر ان اوصاف کے لوگوں کو میدان حشر میں چھانٹ لے گی اور ایک ایک کو پکڑ کر نکل جائے گی اور حساب سے چالیس سال پہلے ہی یہ جہنم واصل ہو جائیں گے۔ (اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے)۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا
وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

ع۱۰ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾

بے شک پرہیز گار لوگ سایوں میں ہیں اور بہتے چشموں میں ○ اور ان میووں میں جن کی وہ خواہش کریں ○ کھاؤ پیو سہتا پچتا اپنے کئے ہوئے اعمال کے بدلے ○ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ○ اس دن سچا نہ جاننے والوں کے لئے ویل ہے ○ (اے جھٹلانے والو تم دنیا میں) تھوڑا سا کھالو برت لو بیشک تم گنہگار ہو ○ قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لئے سخت ہلاکت ہے ○ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ رکوع کر لو تو نہیں کرتے ○ اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے ○ اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے ○

دنیا اور آخرت کے فائدوں کا موازنہ: ☆☆ (آیت: ۴۱-۵۰) اوپر چونکہ بدکاروں کی سزاؤں کا بیان ہوا تھا یہاں نیک کاروں کی جزا کا بیان ہو رہا ہے کہ جو لوگ متقی پرہیز گار تھے خدا کے عبادت گزار تھے فرائض اور واجبات کے پابند تھے۔ خدا کی نافرمانیوں سے حرام کاریوں سے بچتے تھے وہ قیامت کے دن جنتوں میں ہوں گے جہاں قسم قسم کی نہریں چل رہی ہیں۔ گنہگار سیاہ بدبودار دھوئیں میں گھرے ہوئے ہوں گے۔ اور یہ نیک کردار جنتوں کے گھنے ٹھنڈے اور پر کیف سایوں میں بہ آرام تمام لیٹے بیٹھے ہوں گے۔ سامنے صاف شفاف چشمے اپنی پوری پوری روانی سے جاری ہیں۔ قسم قسم کے پھل میوے اور ترکاریاں موجود ہیں جسے جب جی چاہے کھائیں نہ روک ٹوک ہے نہ کمی اور نقصان کا اندیشہ ہے نہ فنا ہونے اور ختم ہونے کا خطرہ ہے پھر حوصلہ بڑھانے اور دل میں خوشی کو دوبالا کرنے کے لئے خدائے تعالیٰ کی طرف سے بار بار فرمایا جاتا ہے کہ اے میرے پیارے بندو تم یہ خوشی اور بافراغت سہتا پچتا خوب کھاؤ پیو ہم ہر نیک کار پرہیز گار مخلص انسان کو اسی طرح بھلا بدلہ اور نیک جزا دیتے ہیں۔ ہاں جھٹلانے والوں کی تو آج بڑی خرابی ہے'۔ ان جھٹلانے والوں کو دھمکایا جاتا ہے کہ اچھا دنیا میں تو تم کچھ کھا پی لو برت لو فائدے اٹھا لو عنقریب یہ نعمتیں بھی فنا ہو جائیں گی اور تم بھی موت کے گھاٹ اترو گے۔ پھر تمہارا نتیجہ جہنم ہی ہے جس کا ذکر اوپر گذر چکا۔ تمہاری بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں کی سزا ہمارے پاس تیار ہے' کوئی مجرم ہماری نگاہ سے باہر نہیں' قیامت کو ہمارے نبی کو ہماری وحی کو نہ ماننے والا اسے جھوٹا جاننے والا قیامت کے دن سخت نقصان میں اور پورے خسارے میں ہوگا۔ اس کی سخت خرابی ہوگی۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے نُمَتِّعُهُمۡ قَلِيۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيۡظٍ دنیا میں ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچا دیں گے پھر تو ہم انہیں سخت عذاب کی طرف بے بس کر دیں گے اور جگہ فرمان ہے قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ مَتَاعٌ فِى الدُّنۡيَا ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ نُذِيۡقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِيۡدَ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ یعنی خدائے تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں یونہی سا فائدہ اٹھا لیں پھر ان کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے ہم انہیں ان کے کفر کی سزا میں سخت تر عذاب چکھائیں گے۔

پھر فرمایا کہ ان نادان منکروں کو جب کہا جاتا ہے کہ آؤ خدا کے سامنے جھک تو لو جماعت کے ساتھ نماز تو ادا کر لو تو ان سے یہ بھی نہیں ہو سکتا اس سے بھی جی چراتے ہیں بلکہ اسے حقارت سے دیکھتے ہیں اور تکبر کے ساتھ انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے لئے جو جھٹلانے میں عمریں گذار دیتے ہیں قیامت کے دن بڑی مصیبت ہوگی۔ پھر فرمایا جب یہ لوگ اس پاک کلام مجید پر بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر کس کلام کو مانیں گے؟ جیسے اور جگہ ہے فَبِاَيِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ یعنی اللہ تعالیٰ پر اور اس کی آیتوں پر جب یہ ایمان نہ لائے تو اب کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے اسے اس کے جواب میں اٰمَنۡتُ بِاللّٰهِ وَبِمَا اُنۡزِلَ کہنا چاہئے۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا۔ یہ حدیث سورۂ قیامہ کی تفسیر میں بھی گذر چکی ہے سورۂ والمرسلات کی تفسیر ختم ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ انتیسویں پارے کی تفسیر بھی پوری ہوئی۔ یہ محض اسی کا فضل و کرم اور لطف و رحم ہے۔ فالحمد للہ۔